اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاسَیِّدِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہ
وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ
وَسِیْلَۃُ النَّبِی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مُحَمَّد
مولفہ: خادم اہلسنت وجماعت
پیر سید سیف اللہ خالد گیلانی القادری
سجادہ نشین دربار غوثیہ قادریہ کوٹلی باجوہ پلاٹ نارووال
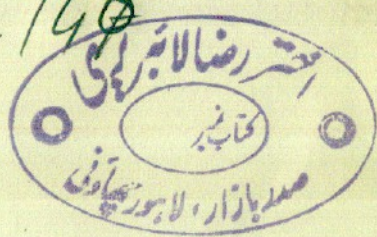
الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ

وَسِیلَۃُ النَّبِی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مولفہ: خادم اہلسنت و جماعت

پیر سید سیف اللہ خالد گیلانی القادری

ہدیہ عقیدت بحضور سید المرسلین رحمت اللعالمین، شفیع المذنبین سلطان الکونین جد الحسن والحسین

نام کتاب .... وسیلۃ النبی ﷺ

مرتب .... پیر سید سیف اللہ گیلانی القادری

معاون خصوصی صاحبزادہ سید محمد عاطف گیلانی القادری

سرورق .... حسنین بشیر بھٹی

تعداد 1000

قیمت .... 250 روپے

مقام واشاعت ... دربار عالیہ غوثیہ قادریہ کوٹلی پلاٹ نارووال پاکستان

اشاعت .... مارچ 2014

خیالات کی جنگ میں کتابیں ہتھیار کا کام کرتی ہے

دنیا پر کتابیں ہی حکومت کرتی رہی ہیں

کتابیں باتیں کرتی ہے کتابیں اچھی ہوتی ہے

بھٹی پرنٹرز۔ بشیر احمد سروری قادری۔ لاہور 0300-8880282

یا اللہ
یا محمد
محمد صلی اللہ علیہ وسلم
الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
سیف اللہ خالد
جعفر علی شاہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بفیضانِ نظر
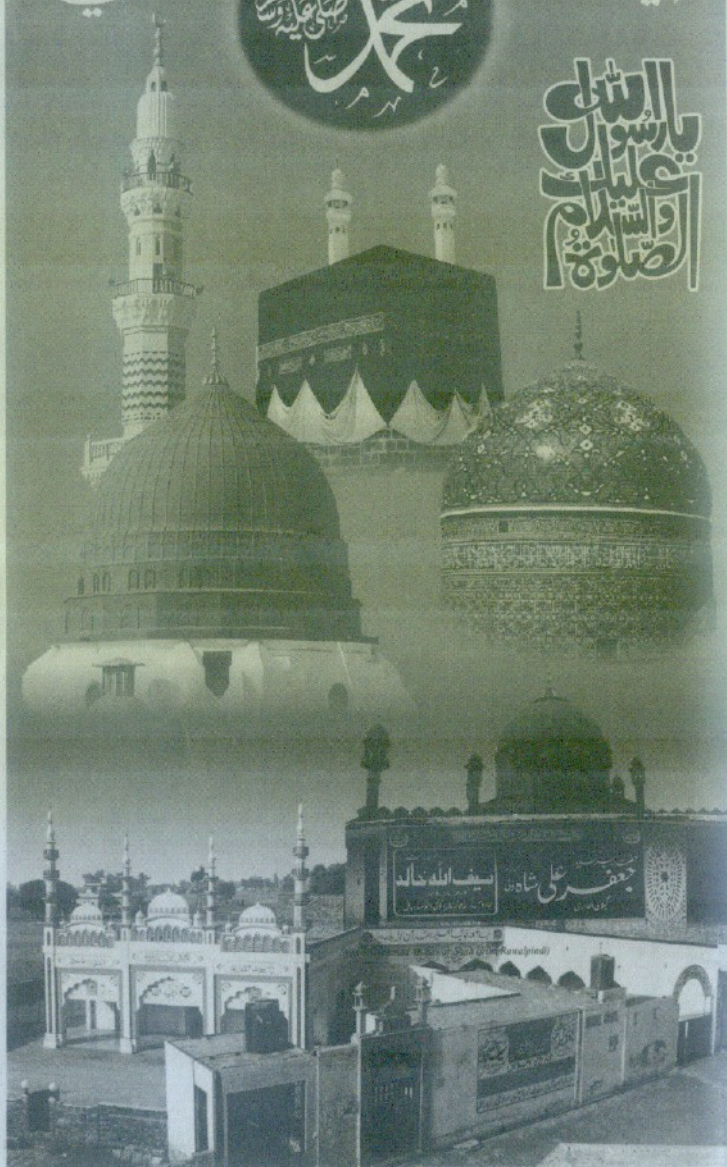
آفتابِ علم و دین ماہتابِ ولایت زبدۃ السالکین شمس العارفین

حضرت پیر سید جعفر علی شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ گیلانی القادری نور اللہ تربت

انتساب

شیخ المشائخ پیر طریقت پیکرِ شریعت پیر ما

حضرت پیر سید لعل حسین شاہ گیلانی القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مرشدی وسندی جمال الاولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت پیر سید سردار علی شاہ گیلانی القادری

ہدیہ ایصال

تاج الاصفیاء زینت الاذکیہ

حضرت پیر سید رحمت علی شاہ گیلانی القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

فہرست مضامین

حرفِ آغاز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ اَمَّا بَعۡدُ

اللہ رب العزت نے اس کائنات کو ایک نظام میں مربوط کر رکھا ہے۔ یہ سب کچھ ایک دوسرے سے منسلک ہے۔ پھر ہر چیز کی تخلیق کا مقصد ہے۔ بنی نوع انسان کو پیدا فرمایا تو اس کی رشد و ہدایت کے لئے اپنے پاک برگزیدہ جو تمام انسانی مخلوق سے اعلیٰ ہیں یعنی انبیاء علیھم السلام کا طویل سلسلہ جاری فرمایا اور انہیں تعلیم انسانیت کے لئے الہامی کتب و صحائف سے آراستہ فرمایا۔

سیدنا آدمؑ سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء علیھم السلام مختلف علاقوں میں مختلف اقوام کی ہدایت کے لئے معبوث ہوتے چلے آئے ایک وقت میں دو چار یا آٹھ نبی معبوث ہوئے کہ ان انبیاءؑ کی نبوتیں محدود تھیں۔ میرے اور آپ کے آقا نبی مکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو ایک قوم کے لئے نہ ہی ایک ملک کے لئے اور نہ ہی ایک خطے کے لئے بلکہ تمام انسانیت کی ہدایت کے لئے اور ہمہ وقت ہر زمانے میں بسنے والے انسانوں کے لئے

ہادی ورہبر بن کرتشریف فرما ہوئے۔جن کی نبوت ورسالت کا راج وحکمرانی

تا قیامت ہی نہیں بلکہ روزمحشر بھی انہی کی عزت وعظمت اور حکمرانی ہوگی۔

بحثیت انبیاء علیھم السلام پورا سلسلہ وار ایک نظام قائم فرما کر واضح کر دیا کہ

لوگو میرا کلام میرا پیغام تم تک پہنچانے کے لئے میں نے ان ہستیوں کا

انتخاب کیا ہے۔اپنی ہر بات ان ہی کے ذریعے تم تک پہنچاتا ہوں۔جبکہ

تمام مسلمانوں کا یہ ایمان ہے کہ اللہ رب العزت قادر و مطلق ہے۔پوری

کائنات کا خالق و مالک ہے۔نیست کو ہست میں ایک لفظ کن سے فرما دیتا

ہے۔اس کی مرضی کے بغیر ایک پتا بھی حرکت نہیں کرسکتا۔باوجود یہ کہ تمام

قدرت وطاقت ہونے کے اس ذات رب کریم نے انسان کو پیدا فرمایا عقل

وفہم عطا فرمایا اور پھر امتحان عقل و انسانیت کے لئے ابلیس کو پیدا فرمایا اور

ہمیں واضح بھی کر دیا انسانیت پر کرم فرماتے ہوئے اعلان فرمایا:

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّیۡطٰنَ ۚ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ۙ وَّ اَنِ اعۡبُدُوۡنِیۡ ؕؔ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ

(سورۃ یٰسٓ آیت نمبر ۶۰-۶۱۔)

ترجمہ: اے بنی آدم شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن

ہے۔میری عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے۔

اس آیۃ کریمہ میں دو باتیں واضح طور پر ارشاد فرمادیں دو راستے

واضح کردیے۔ ایک رحمٰن کا راستہ، دوسرا شیطان کا راستہ ہے۔ انسان کو دونوں راستوں میں سے ایک کو منتخب کرنے کے لئے عقل دے دی پھر ادھر ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ مزید کرم فرمایا کہ یوم الست میں کیا ہوا وعدہ یاد کروانے کے لئے اور شیطان کے بہکاوے سے بچانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو معبوث فرمایا۔ ذات رب کریم قادر مطلق ہے۔ اگر چاہتی تو کسی انسان کو بھی انکار و کفر کی جرات نہ ہوتی۔ سبھی رب ذوالجلال کی واحدانیت کے ماننے والے ہوتے۔ یا دوسرا طریقہ یہ بھی اپنایا جا سکتا تھا کہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے اور قرآن ان کے پاس موجود ہوتا اور کسی نبی کے بھیجنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی، مگر نہیں رب کائنات نے ایک نظام وضع فرمایا اور ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر کے مسئلہ وسیلہ واضح فرما دیا۔ گویا کہ اس ذات کریم نے اپنا تعارف بھی اپنے انبیاءؑ کے ذریعے سے کروایا۔ یعنی ایک اصول زندگی عطا فرمایا۔ کہ بغیر وسیلہ کوئی کام بھی پایائے تکمیل نہیں ہوتا۔ لہذا اس بات کے سمجھنے کے لئے تصور وسیلہ کو جاننا ضروری ہے۔ اور انشاء اللہ العزیز آئندہ سطور ضرور مشعل راہ ہونگی۔

تمہارا ایک رب ہے پھر بھی تم اسے یاد نہیں کرتے
لیکن اس کے کتنے بندے ہیں پھر بھی تم کو نہیں بھولتا۔

پیش لفظ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۰ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۰ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۰ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۰ سورہ اخلاص

اس عنوان پر بہت کتابیں رقم ہوئی ہیں، مگر کتابوں کے فن تحریر کے پیش نظر عوام الناس بات کو سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔ کیونکہ کہیں وسیلہ کا فلسفہ بیان ہوا اور کہیں مناظرانہ انداز میں طنز و تنقید اپنائی گئی۔ لیکن اس کتاب ھذا میں یہ بات پیش نظر ہے کہ سخت اور مشکل الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔ تاکہ ہر چھوٹا بڑا آسانی سے سمجھ سکے۔ مقصد تو صرف یہ ہے کہ وسیلۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ دل و دماغ پر راسخ ہو جائے اور اس عقیدہ کو دوسروں تک آسانی سے پہنچایا جاسکے۔ تاکہ ہر مسلمان اس نعمت سے مستفید ہوسکے۔

اللہ رب العزت سے استدعا ہے کہ اپنے حبیب لبیب وجہ تخلیق کائنات فخر الموجودات سید الکونین جد الحسنین وسیلتنا فی الدارین نبی الحرمین صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق اور وسیلہ جلیلہ سے اسکی تکمیل حسب ضرورت و خواہش کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

بجاہ سید المرسلین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔ برادران اسلام اس کتاب کا آغاز رجب المرجب میں کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس ماہ مقدس کا وسیلہ

سے بڑا خاص تعلق ہے۔ میرے اور آپ کے آقا ﷺ کو معراج اسی ماہ مقدس ہی میں کروائی گئی۔ رب کائنات نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو وادی دنا میں بلا کر پچاس نمازیں عطا فرمائیں۔ آقا ﷺ دیدار انوار الٰہی کے نشہ میں مخمور مسرور چلے آئے۔ مگر رب کریم نے حضرت موسیٰؑ کو راستہ میں دیدار مصطفیٰ ﷺ کے لئے کھڑا کر دیا۔ تو حضرت موسیٰؑ نے دیدار کرنے کے بعد عرض کی کہ یا حبیب اللہ ﷺ اسقدر نمازیں امت ادا نہ کر سکے گی۔ آپ تخفیف کروائیں۔ المختصر کہ بوسیلہ حضرت موسیٰؑ نمازیں پانچ رہ گئیں۔ ہم حضرت موسیٰؑ کے مشکور ہیں کہ نمازوں کے تخفیف میں انہوں نے مدد فرمائی۔ اللہ کریم نے کرم کرتے ہوئے فرمایا: محبوب تیری امت پانچ پڑھ لیا کرے میں ثواب پچاس کا ہی عطا کروں گا۔ لہذہ اس کتاب کا آغاز اس مبارک وسیلہ والے ماہ مقدس سے کیا جا رہا ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنے تعارف کے سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ٥ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ٥ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ٥ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ٥

ترجمہ: محبوب آپ ان لوگوں میں اعلان فرمادیں کہ اللہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے۔ اور نہ اسکو کسی نے جنا ہے۔

اس سورہ اخلاص میں اس نے اپنا تعارف اپنے محبوب کے ذریعے سے کروایا ہے۔ تو وسیلہ کہتے ہی ذریعہ اور واسطہ کو ہیں۔ کہ فلاں کام فلاں کے ذریعے سرانجام ہوگا۔ قرآن کریم میں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ انشاء اللہ العزیز کتاب ھذا میں نہایت اختصار مگر جامع بحوالہ قرآن وحدیث کی روشنی میں عقیدہ حق اہلسنت وسیلہ النبی ﷺ بیان کیا جائے گا۔ جس کی ترتیب کچھ ایسی ہوگی۔

حمد باری تعالیٰ

زمین تیری زماں تیرا، ہے امر کن فکاں تیرا
توخَلّا قِ جہاں یارب! ہے مخلوق آسمان تیرا
شجر تیرے ثمر تیرے، ہے اور آبِ رواں تیرا
فلک پر ضوفشاں وہ کاروانِ کہکشاں تیرا
تو متاعِ گل خنداں، گلوں میں بوئے گل تیری
طیوران چمن تیرے، نظام گلستاں تیرا
بہر گوشہ بہر جانب تجلی عام ہے تیری
بہر سو ہیں تیرے جلوے، ہر ایک شئ میں نشاں تیرا

درودِ تاج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ وَالْعَلَمِ دَافِعِ الْبَلَآءِ وَالْوَبَآءِ وَالْقَحْطِ وَالْمَرَضِ وَالْاَلَمِ اِسْمُهٗ مَكْتُوْبٌ مَّرْفُوْعٌ مَّشْفُوْعٌ مَّنْقُوْشٌ فِي اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ سَيِّدِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ جِسْمُهٗ مُقَدَّسٌ مُّعَطَّرٌ مُّطَهَّرٌ مُّنَوَّرٌ فِي الْبَيْتِ وَالْحَرَمِ شَمْسِ الضُّحٰى بَدْرِ الدُّجٰى صَدْرِ الْعُلٰى نُوْرِ الْهُدٰى كَهْفِ الْوَرٰى مِصْبَاحِ الظُّلَمِ جَمِيْلِ الشِّيَمِ شَفِيْعِ الْاُمَمِ صَاحِبِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَاللّٰهُ عَاصِمُهٗ وَجِبْرِيْلُ خَادِمُهٗ وَالْبُرَاقُ مَرْكَبُهٗ وَالْمِعْرَاجُ سَفَرُهٗ وَسِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى مَقَامُهٗ وَقَابَ قَوْسَيْنِ مَطْلُوْبُهٗ وَالْمَطْلُوْبُ مَقْصُوْدُهٗ وَالْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُهٗ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ اَنِيْسِ الْغَرِيْبِيْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ رَاحَةِ الْعَاشِقِيْنَ مُرَادِ الْمُشْتَاقِيْنَ شَمْسِ الْعَارِفِيْنَ سِرَاجِ السّٰلِكِيْنَ مِصْبَاحِ الْمُقَرَّبِيْنَ مُحِبِّ الْفُقَرَآءِ وَالْغُرَبَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ سَيِّدِ الثَّقَلَيْنِ نَبِيِّ الْحَرَمَيْنِ اِمَامِ الْقِبْلَتَيْنِ وَسِيْلَتِنَا فِي الدَّارَيْنِ صَاحِبِ قَابَ قَوْسَيْنِ مَحْبُوْبِ رَبِّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبِّ الْمَغْرِبَيْنِ جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ مَوْلٰنَا وَمَوْلَى الثَّقَلَيْنِ اَبِي الْقَاسِمِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ يٰٓاَيُّهَا الْمُشْتَاقُوْنَ بِنُوْرِ جَمَالِهٖ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ واهلِ بیت و ازواجا وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

انشاء اللہ العزیز چند سطور صرف اس لئے ھدیہ ناظرین کی جارہی ہیں کہ عقیدہ اہلسنت و جماعت واضح ہو جائے۔ تاکہ نوجوانان اہلسنت مکمل اعتماد اور یقین سے اپنے عقیدے کی ترویج و تشہیر و تبلیغ بغیر کسی جھگڑے اور فساد کے کر سکیں۔

مقدّمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ صدق اللہ العظیم

(سورۃ المائدہ آیت نمبر ۳۵)

عزیزان گرامی قدر کتاب کے عنوان سے مقصد تحریر واضح ہے۔ اس

کا آغاز قرآن کریم میں پہلی اول سات آیتوں والی بابرکت سورۃ الفاتحہ سے کرتے ہیں۔ اس سورۃ پاک کا ایک نام الشفاء بھی ہے۔ اسی سورۃ سے اس لئے آغاز کرتے ہیں کہ وہ بیمار جو جسمانی لحاظ سے تو درست ہیں مگر روحانی لحاظ سے بیمار ہو چکے ہیں کہ ان کی یہ بیماری باقی اعمال کو اس طرح کھائے جا رہی ہے، جس طرح کہ کینسر بدن کو خراب کر کے کھاتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ معالج کو بعض اوقات باقی جسم کو بچانے کے لئے کینسر سے خراب شدہ عضو کو کاٹنا پڑتا ہے۔ ممکن ہے سورۃ الشفاء ان روحانی مریضوں کے مرض کو دور کرنے کے لئے اکسیر ثابت ہو جائے۔ جو عقیدے کے کینسر میں مبتلا ہو کر اپنی پوری روحانی زندگی کو تباہ و برباد کر رہے ہیں اور مجھے اپنے رب کریم پر مکمل بھروسہ اور اعتماد ہے کہ اگر کوئی روحانی عقیدے کے کینسر میں مبتلا ہے اور ہمارا دیا ہوا نسخہ توجہ اور مکمل رغبت سے استعمال کرے گا ضرور شفاء یاب ہوگا۔ اللہ رب العزت ایسی کریم ذات ہے کہ محبوب ﷺ کے ہم گنہگار امتیوں سے بھی پیار کرتے ہوئے اپنی بارگاہ سے مانگنے کا سلیقہ بتا رہی ہے۔ ایسی محبت و شفقت کسی امت پر نہیں فرمائی جیسی اس امت پر فرمائی ہے کیونکہ اس کے محبوب کی امت ہے اور محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے۔

فرمایا جا رہا ہے کہ جب تم صاف ستھرے کپڑے پہن کر بدن کو پاکیزہ کر کے باوضو میری بارگاہ میں ہاتھ باندھ کر پوری توجہ انہماک کے ساتھ قبلہ رخ کھڑے ہو جاؤ تو اپنی زبان سے اپنی طلب کا آغاز ان الفاظ میں کرو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بڑا مہربان اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ روز جزا کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔

سورۃ فاتحہ کی ان آیات میں سے الفاظ پر ذرا غور کریں جو ہمارے موضوع سے متعلق ہیں طریقہ رب کریم نے خود بتا رہا ہے جس میں انکار یا اعتراض کی گنجائش نہیں سوچنے اور قابل غور بات یہ ہے کہ آدمی اکیلا تن تنہا بڑے عجز و نیاز میں ڈوب کر نہایت انکساری میں اپنی عبادت کا اظہار کرتا ہے اور صیغہ جمع کا استعمال کرتا ہے نماز اکیلے پڑھ رہا ہے جمع کا صیغہ کیوں استعمال کروایا جا رہا ہے۔ یہ طریقہ تو رب کائنات نے خود تعلیم فرمایا ہے۔ کسی اور نے کیا ہوتا تو اعتراض ہو سکتا تھا بات کا انکار بھی ہو سکتا تھا مگر

ایسا انداز اپنانے کے لئے کہنے والی ذات خود رب کریم کی ہے۔ آخر کیوں؟

اب اس سوال کا یہ جواب ہے انسان جو یہ کلمات ادا کر رہا ہے۔ خواہ وقت کا امام ہو۔ غوث الوقت ہو۔ بہت بڑا مبلغ یا عالم ہو۔ جو جس حیثیت میں ہو۔ کلمات یہی ادا کریگا اسکی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص خواہ کتنا بھی علم والا ہو وہ اپنے علم پر نہ اترائے کوئی کتنا بھی شب بیدار ہو۔ وہ اپنی شب بیداریوں میں کی ہوئی عبادت پر گھمنڈ نہ کرے۔ کوئی کتنے بھی نیک اعمال کا کرنے والا ہو یہی الفاظ ادا کر کے اپنی انکساری کا اظہار کرتا ہے۔ اور اپنی ٹوٹی پھوٹی عجز و نیاز میں ناقص عبادت کو اللہ رب العزت کے ان مقربین کی عبادت کے ساتھ ملا کر پیش کرتا ہے۔ جو عجز و نیاز خشوع و خضوع اور تذلل و انکساری میں ڈوبی ہوئی مقبول عبادتیں ہیں

یہ وجہ ہے کہ اپنی عبادت پیش کرتے ہوئے جمع کا صیغہ استعمال کر رہا ہے۔ یعنی ان الفاظ میں (اِيَّاكَ نَعْبُدُ) میں مقربین رب کریم کا وسیلہ چھپا ہوا ہے۔ درحقیقت مقربین الٰہ العالمین کا وسیلہ ہی قبولیت نماز کا ذریعہ ہے۔ خواہ کوئی وسیلے کا انکاری ہو اسے بھی یہ ہی پڑھنا پڑتا ہے۔ کوئی دوسرے الفاظ پڑھے گا یا دل میں کوئی اور خیال کرے گا تو نماز جیسی محترم عبادت رد کر کے اس کے منہ پر ماردی جائے گی۔

اگر فقط ان الفاظ پر ہی غور و فکر کر لیا جائے سنجیدگی سے سوچ و بچار کر لیا جائے تو عقیدے کے کینسر کا علاج ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ کینسر ہی ختم ہو سکتا ہے۔ بس ضرورت غور و فکر کی ہے۔

تصور عبادت کے بعد تصور استعانت بھی جاننا ضروری ہے کیونکہ جسطرح عبادت کے ضمن میں یہ کہا جاتا ہے اسی طرح استعانت کے بارے میں زبان درازیاں ہوتی ہیں۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ) کے بعد متواصل الفاظ آتے ہیں اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنَ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ عقیدہ استعانت جاننا ضروری ہے۔ عقیدہ اصل یہ ہے۔ حقیقی مددگار اللہ ہی کی ذات ہے۔ مگر اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ دھرے اسباب سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشیں ہو جائے کہ بیمار ہوئے تو علاج سے کنارہ کش، رزق کے معاملہ و وسائل معاش سے دست بردار ہو جائے، حصول علم کے لئے استاد سے بیزار۔ اس تصور اور طریقہ کو اسلام اور توحید نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ذات رب کریم ہی نے ان اسباب میں نتائج کو وابستہ رکھا ہے۔ اسی نے اسباب میں تاثیر رکھی ہے۔ ان اسباب کی طرف رجوع و رغبت استعانت بالغیر نہیں بلکہ ان جملہ اسباب میں سب سے قوی اور اثر انگیز سبب دعا ہے۔ جس کے بارے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا ہے (الدعاء یرد القضاء) کہ دعا تقدیر بدل دیتی ہے۔ اور اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ محبوبان خدا کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے۔ کہ ان اپنے مقبول بندوں کی عاجزانہ اور نیاز مندانہ التجاؤں کو ضرور بضرور شرف قبولیت بخشوں گا۔ چنانچہ حدیث قدسی ہے، جسے امام بخاری اور دیگر کئی محدثین نے روایت کیا ہے۔ ارشاد فرمایا

(لا ن سئا لنی لاعطینه و لا ن استحاذنی لاعتذنه)

اگر میرا مقبول بندہ مجھ سے مانگے تو ضرور سوال پورا کروں گا اور اگر پناہ طلب کرے تو ضرور اسے پناہ بھی دوں گا۔ اور اگر کوئی شخص اللہ کے ان مقبول بندوں کا واسطہ یا وسیلہ بارگاہ رب العزت میں پیش کرے گا تو یہ وسیلہ بھی استعانت باللہ ہی کہلوائے گا۔ یہ استعانت بالغیر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے (اِیَاکَ نَسْتَعِیْنَ میں بھی صیغہ جمع کا استعمال ہوا ہے۔ پر وہ نمازی خواہ وہ نبی ہو، ولی ہو، ولایت کے کسی درجہ پر فائز ہو، عالم ہو، زاہد ہو گو کہ کتنا بھی بڑا صوفی ہو الفاظ یہی استعمال کرتا ہے۔ اور اللہ رب العزت سے اپنے موجودہ حال سے بہتر حال کی طرف مدد چاہتا ہے۔ اور اس بہتری کے حصول کے لئے راہ سلوک پر گامزن معلمین کا سہارا لیتا ہے۔ ان کے پاس جاتا ہے، ان کی سنگت وصحبت اختیار کرتا ہے۔ کیونکہ اس طرح ہماری راہنمائی بھی وہی

خالق و مالک ہی فرماتا ہے۔ اور خود سے مانگنے کا طریقہ بھی اسی سورۃ فاتحہ ہی میں تعلیم فرما رہا ہے۔

انسانی ذہن میں اچانک ایک وہم کا گزر ہوتا ہے تو گھبرا کر بارگاہ رب العزت میں التجا کرتا ہے کہ یا اللہ جو راستہ میں نے اپنی مرضی سے تعین کرلیا ہے، نہ جانے یہ درست ہے یا غلط میں عبادت بھی کئے جا رہا ہوں تجھے واحد و یکتا بھی مانتا ہوں، تجھے ہی ہر معاملے میں اپنا حامی و ناصر مانتا ہوں تو اب میری راہنمائی فرما اور مجھے وہ راستہ دکھا دے جو تجھے پسند ہے۔ جس پر مجھے چلتے دیکھ کر تو راضی ہو جائے۔ تو بندہ بے ساختہ پکارتا ہے، اے روز جزا کے مالک مجھے سیدھا راستہ دکھا جب یہ گمان پیدا ہوتا ہے تو رحمت حق راہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو اگر تم واقعتاً اور حقیقتاً سیدھے راستے کے طالب ہو تو پھر سنو اپنی نماز کی حالت قیام میں ہی مجھ سے اس طرح سوال کرو اپنی التجائیں ان الفاظ میں پیش کرو۔

(اھدنا الصراط المستقیم) یعنی اے باری تعالیٰ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ کیسی کریم ذات ہے، سوال بھی خود سکھلاتا ہے اور پھر جواب بھی خود سمجھاتا ہے

عزیزان گرامی قدر، رب کریم وہ کریم ذات ہے جو اپنے محبوب ﷺ کی اس گنہگار امت سے بہت پیار کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود اپنے

سامنے جھکنے کے آداب بھی سکھلاتا ہے اور خود سے مانگنے کا طریقہ بھی تعلیم فرماتا ہے۔ اسمیں بڑی محبت اور شائستگی کا اظہار ہے۔ کیا خوبصورت الفاظ ہیں فرماتا ہے،

میرے بندو عطا تو میں نے ہی کرنا ہے۔ مگر میں نے نظام وضع کر رکھا ہے۔ لہذا اسی نظام پر کاربند رہ کر ہی تم کچھ حاصل کر سکتے ہو ورنہ تمھارا میری بارگاہ میں جھکنا بے کار اور باقی ساری عبادت بھی رائیگاں ہے۔

تعلیمات رب کائنات کچھ اس طرح ہیں فرمایا جارہا ہے کہ مجھ سے راہ ہدایت کے طلب گار، دل کی گہرائی سے نہایت ادب کے ساتھ ہاتھ باندھ کر عرض کرو

(اهدنا الصراط المستقیم)

یا اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا جب بندہ یہ التجا کرتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے۔ راہ حق کی تلاش میں گم گشتہ لوگو ان الفاظ میں مجھ سے درخواست پیش کرو

(صراط الذین انعمت علیھم)

اللہ ہمیں اپنے انعام یافتہ لوگوں کا راستہ دکھا۔ انعام یافتہ اللہ رب العزت کے مقبول و محبوب بندے ہیں ۔اور ان کی طرف ہمیں کون راغب و متوجہ کرتا ہے۔ وہ ذات جو ان بندوں کی خالق ہے۔ قادرو مطلق اور مختار کل

ہونے کے باوجود اپنے دیئے ہوئے ضابطہ اور قانون کے مطابق اپنے بندوں کی طرف بھیج رہا ہے۔ ان لوگوں کا راستہ اختیار کرو جن پر میں نے انعام کیا ہے۔ اب صاف ظاہر ہے ان انعام یافتہ لوگوں کی سنگت وصحبت اختیار کی جائے گی تو ان کا راستہ معلوم ہوگا ۔اور یہ وہ ہی بتا سکتا ہے جو اس راہ پر گامزن ہو۔ یعنی جو راہ انعام کی معرفت رکھتا ہو خود رب رحیم وسیلہ کی تعلیم دے رہا ہے۔ اب اذہان سوچنے پر مجبور ہیں، یا اللہ ہمیں انعام یافتہ لوگوں کی خبر بھی بتا دے کہ وہ کون خوش بخت ہیں تا کہ ہم بھی تجھ سے انعام حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں یا پھر ان کی صحبت اختیار کر کے خوشبوئے انعام حاصل کر سکیں۔ کیونکہ صحبت بڑا اثر رکھتی ہے۔ جس طرح کہ میاں محمد بخشؒ کھڑی شریف والے ارشاد فرماتے ہیں۔

برے بندے دی صحبت یارو جینویں دوکان لوہاراں
کپڑے بھانویں کنج کنج بویئے چنگاں پین ہزاراں
تے چنگے بندے دی صحبت یارو جینویں دوکان عطاراں
سودا بھانویں مول نا لیئے حلے آون ہزاراں

میاں محمد بخشؒ یہ تصور دے رہے ہیں کہ صحبت صلحاء میں ہمیشہ اصلاح اعمال کی بات ملے گی اگر وہ کسی وجہ سے زیادہ عبادت گزاریاں نہ بھی کر سکے

تو صحبت میں صرف آ کر بیٹھے رہنے سے کم از کم برائیوں سے تو بچا رہیگا۔
شیطان اس پر حملہ آور نہ ہو سکے گا، اپنے ایمان کو محفوظ و مامون رکھ سکے گا۔ یہ
عمل بھی اسکی آخرت کے سنوارنے اور نجات کے لئے کافی و کامل ثابت
ہو گا۔ بات یہ ہو رہی تھی کہ یا اللہ وہ کون لوگ ہیں جن کی صحبت اختیار کر لیں تو
وہ صحبت ہمیں آپ تک ملانے کے لئے کافی ہو گی تو رب کریم اس امت
محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر کرم کرتے ہوئے راہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد رب لمیزل
ہوتا ہے۔

(انعم اللہُ علیھم من النبیین و صدیقین و الشھداء والصالحین و حسن اولیک رفیقاً)

یہ انعام یافتہ لوگ جو مقربین خدا ہیں۔ وہ ہیں انبیاء کا پاکیزہ گروہ
اور صدیقین کا برگزیدہ گروہ اور شہداء، صالحین یعنی اولیاء امت اور فرمایا جارہا
ہے۔ کہ ان کی سنگت کتنی پیاری سنگت ہے۔ بے شک یہ سنگت پیاری
ہے۔ کہ ان کے وسیلہ جلیلہ سے جو بات جو حاجت بھی بارگاہ رب العزت
میں پیش کی جاتی ہے وہ اپنے ان مقبول بندوں کے صدقے قبول فرمالیتا ہے
اور پھر عطاؤں کے دھارے کھول دیتا ہے۔

صحبت صالح را صالح میکند
صحبت طالع را طالع میکند

اور اس وسیلے کی طرف تو ہمیں خود رب کائنات ہدایت فرما رہا ہے۔ کہ مجھ تک اپنی التجائیں پہنچانا چاہتے ہو تو پھر یہ راستہ ہے۔ کہا کرو

(صراط الذین انعمت علیھم)

کیونکہ یہ انعام یافتہ مجھ سے تم لوگوں کے رابطے کا ذریعہ ہیں۔

جبکہ وسیلہ کا معنی ذریعہ کے ہیں اور ذریعہ اصل نہیں ہوتا۔ لہذا وسیلہ ذریعہ ہے۔ طریقہ قرب الٰہی ہے۔ کبھی بھی شرک نہیں ہوسکتا وہ تو شرک کا توڑ ہے ہاں ایک بات کا اس میں خیال رکھنا از حد ضروری ہے۔ جسے بھی وسیلہ بنایا جائے جس شخصیت کا وسیلہ پیش کیا جائے۔ وہ شخصیت تا وقت وصال پابند شریعت رہا ہو۔ وسیلہ دائرہ شریعت میں ہو۔ یہ نہ ہو جس شخصیت کو وسیلہ بنایا جا رہا ہو ظاہراً اس کا مزار بھی ہو لوگ اس پر جمع بھی ہوتے ہوں۔ مگر اسکی زندگی خرافات میں گزری ہو۔ خود کبھی اس نے اپنی جبین نیاز کو اللہ کے حضور نہ جھکایا ہو۔ نشہ جھوٹ بدکاری اس کا شیوہ رہا ہو۔ مرنے کے بعد اس کے خرافاتی عقیدتمندوں نے مزار بنا دیا ہو۔ تو ایسے لوگوں کا نہ تو وسیلہ ہی درست ہے اور نہ ان سے عقیدت درست ہے۔ لہذا معلوم یہ ہوا کہ وسیلہ دینے والا اور جس کا وسیلہ دیا جا رہا ہو دونوں شریعت کے پابند ہوں۔ بعض لوگ اسی وسیلہ کے عمل کو بلا روک ٹوک زبان کو تقویٰ کی لگام سے آزاد کرتے ہوئے شرک و بدعت کے فتویٰ کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ ان بے لگام اور آزاد منش فتویٰ بازوں کے لئے ہم نے یہ تین باب اس کتاب میں اضافی بنائے ہیں (تصور توحید، رد شرک اور حقیقت بدعت) اور تصور وسیلہ سمجھانے سے پہلے ان ابواب کو سمجھنا ضروری ہے۔ لہذا انہی عنوانات سے آغاز کیا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت سے استدعا ہے۔ قارئین کو اس سے مکمل طور پر مستفید فرمائے اور ہمارے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین۔۔

باب اول　　عقیدہ توحید

۱: **قل هو اللّٰه هواحد ۔اللّٰه هوالصمد۔**
لم يا لد۔ ولم يا كن له كفوا احد۔

۲: **قالوا نعبد الهک و اله ابائک**
ابراهيم و اسماعيل و اسحٰق ۔البقرہ ۱۳۳

۳: **قالوا اٰمنا برب هارون و موسیٰ** ۔طٰہٰ ۶۵

۴: **نحن اقرب اليه من حبل الوريد** ۔قٓ ۱۶

۵: **انه هوالسميع البصير** ۔بنی اسرائیل ۱

۶: **فجعلناه سميعاً بصيره** ۔وھو ۲

توحید کے مضمون کو جاننے کے لئے درج ذیل باتوں کا معلوم ہونا ضروری ہے۔توحید یکتائی اور واحدانئیت الہی سے عبارت ہے۔دنیا کی کوئی چیز کوئی طاقت اللہ رب العزت کے ذاتی اور صفاتی کاموں میں شریک نہیں ہوسکتی۔اور نہ ہی کوئی برابری کا دعوی کرسکتا ہے۔توحید کے براہین و دلائل درج ذیل طریقے سے بیان کئے جاتے ہیں۔

توحید کے نظریاتی دلائل اور توحید کے مشاہداتی دلائل

توحید کے نظریاتی دلائل کو نہایت مثبت اور اچھوتے انداز میں قرآن کریم نے اس کو بیان فرمایا۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ

ترجمہ: اور تم سب کا خدا ایک ہی ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مگر وہ ہی معبود ہے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

انسانی تاریخ شاہد و ناطق ہے کہ یہ انسان کی کمزوری ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کو مقدم رکھتا ہے۔اور ہر اس وجود کو الوہئیت کا درجہ دے کر اس کی پرستش کرنے لگ گیا کہ وہ یہ اپنے محسن کو وجود میں دیکھ کر اپنی حاجات اس کے سامنے پیش کر کے اپنے آپ کو مطمئن کر لیتا رہا ہے اور یہ انسان کبھی بھی

اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ غیر مرئی ذات کو اپنا حاجت روا جانے اور بغیر کسی ذات کو سامنے دیکھے وہ اپنی ضروریات حاجات بیان کرے یہ بات اسے مطمئن نہیں کرتی تو وہ اپنے دل ودماغ میں یہ نظریہ لئے بیٹھا ہے اور اس کے اندر کونے کھدرے میں کوئی نہ کوئی الہٰ چھپا ہوا ہے تو اس تصور باطل کو یکسر مٹا دینے کے لئے اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اعلان فرمایا۔

وَاِلٰھُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

ترجمہ: اور تم سب کا خدا ایک ہی ہے۔

اور وہ ہی ذات ہے جو تمہیں اپنی رحمتوں کے خزانے سے مستفید کر رہا ہے جو تمہیں رزق، صحت، آسائش تمام تر برکتیں اور رحمتیں عطا فرمانے والا ہے۔ جب وہ ہر چیز کا مالک ہے تو جبین نیاز بھی اسی کے سامنے جھکنی چاہئے اسی لئے ان الفاظ کے بعد فرمایا اِلٰهٌ

لفظ اِلٰہ کہہ کر دل میں چھپے ہوئے ہر بت کو پاش پاش کر دیا گویا کہ ہر قسم کے اِلٰہ کی نفی کر کے مثبت کی طرف متوجہ کیا گیا۔ اللہ کی واحدانیت و یکتائی پر دلالت کرنے والی بہت آیات قرآنی موجود ہیں۔ بس نظریہ

اسلامی یہ ہے کہ ہر قسم کے تعلقات جو بھی کسی سے وابستہ کئے جائیں جن سے کسی غیر کو صفات الٰہی میں دخل اندازی کا شائبہ ہوتا ہو یکسر سب کا انکار اور نفی کردی گئی بس صرف اور صرف اللہ ہی یکتا عبادت کا سزاوار ہے.

اور اس کی عبادت روا ہے اور وہی حقیقی حاجت روا ہے۔

توحید کے مشاہداتی دلائل

قرآن کریم انسان کو جا بجا عالم انفاس و آفاق غور و فکر اور تدبر کی دعوت دیتا ہے۔ اور اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہے ذرا غور و فکر تو کریں کہ کائنات میں کارخانہ حیات کس نظم و نسق اور ضبط و ربط سے چل رہا ہے۔ کوئی ہستی تو ہے جو اسے چلا رہی ہے اور نظام چلانے والی ذات ہی کو پروردگار عالم کہتے ہیں۔ جب انسان دعوت قرآن پر عمل کرتے ہوئے عرض و سماء کے نظام کا مشاہدہ کرتا ہے دن رات کے نظام کو دیکھتا ہے سورج چاند ستارے کے گرداب پر نظر دوڑائے تو بے ساختہ اس کی زبان سے صادر ہو جاتا ہے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار یہ سب بیکار پیدا نہیں کیا۔

اور دوسری جگہ اس انداز تفکر کی ترجمانی کرتے ہوئے قرآن کریم

ارشاد فرما رہا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ

ترجمہ: اور نہیں ہم نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے۔ قرآن کریم اس بات کی طرف متوجہ کر رہا ہے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ انسان ہستی کائنات میں تدبر کرے اور اس کے وجدان سے یہ آواز نہ آئے کہ اس نظام کو چلانے والی کوئی ہستی ہے۔ گویا کہ وجودی اشیاء اللہ عزوجل کی قدرت کاملہ کا مظہر ہے پھر مزید قرآن کریم میں اس کے شواہد و قرائن ملتے ہیں وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ

ترجمہ: اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور کون نکالتا مردہ کو زندہ سے اور کون جو انتظام فرماتا ہے ہر کام کا۔

اس آیہ کریمہ میں انسانی افزائش نسل کا ذکر بھی آجاتا ہے۔ نباتات جماوات مردہ زمین سے نکلنے والی ہر چیز کا ذکر آجاتا ہے۔ کوئی تو ہے جو اس طرح کے نظام کو بڑے منظّم ضابطے سے چلا رہا ہے۔ وہ ذات بے جان تراشے ہوئے بت نہیں ہو سکتے وہ کوئی اور نہیں ہو سکتا وہ ذات صرف اور صرف ذات خدا ہی ہو سکتی ہے۔

یہ ہے مشاہداتی توحید جسے کائنات کے وجود سے پہچانا جاتا ہے۔

اثبات توحید کچھ خاموش دلائل بھی ہیں۔ جن سے اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ کا اظہار ہوتا ہے۔ کائنات ہست و بود کے نظام میں حرکت اجرام فلکی وارض اثبات توحید پر خاموش دلائل ہیں۔ یہ زمین بغیر ستونوں کے آسمان کا چرخ سورج چاند ستارے شجر و حجر بادل لہلہاتے کھیت مترنم آبشاریں سمندروں کی لہریں اگرچہ قوت گویائی نہیں رکھتے مگر یہ سب اثبات توحید کے خاموش دلالت ہے۔ اس سارے نظام کو چلانے والی کوئی ذات ہے جو تمام عبادات کی سزاوار ہے اور وہ فقط خداوند قدوس کی ذات ہے۔

مگر ان خاموش دلائل کے ساتھ ایک بہت بڑی عظمت والی دلیل بنا کر بھیجی ہے۔ جسے اس ذات رب جلیل نے برھان کا درجہ دیا ہے اور اعلان عام کیا جا رہا ہے

یَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

ترجمہ: اے لوگو تمھارے رب کی طرف سے ایک دلیل ناطق آ گئی ہے سورج اثبات توحید کی خاموش دلیل تھی جب اشارہ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے تو دلیل ناطق بنتے ہوئے واپس پلٹ آتا ہے ابو جہل کی مٹھی میں کنکر

پہاڑوں سے اثبات توحید کی خاموش دلیل تھے۔ مصطفیٰ کریم ﷺ کی نگاہ فیض بڑی توجہ خاص ہوئی جس کے وسیلہء تصدق سے ابوجہل کی مٹھی میں ذکر الٰہی کر کے دلیل ناطق بن گئی۔ گویا کہ ذات مصطفیٰ ﷺ اللہ کی توحید کی دلیل ناطق ہیں اور ایسی دلیل ناطق کہ ان کی توجہ اور وسیلہ سے دلیل ساکت بھی دلیل ناطق بن جاتی ہے۔ استوانہ حنانہ دلیل ساکت سے ناطق میں تبدیل ہونے کا نام ہے۔ پتھروں کا کلمہ حق پڑھ لینا، درختوں کا اپنے مقام سے چل کر آ جانا، جانوروں کا رسالت کی گواہی دینا یہ سب بوسیلہء نگاہ مصطفیٰ ﷺ دلیل ساکت سے دلیل ناطق ہونے کی دلیل ہے۔

بس مختصر یہ ہے وابستگی ذات مصطفیٰ ﷺ سے جب براہین ودلائل توحید پہچانے جائیں گے تو وہی ہمیں منزل تک لے جاسکیں گے۔ ورنہ بھٹکنا انسانی مقدر رہے گا۔ اب انشاء اللہ العزیز سورۃ اخلاص جو کہ سورۃ توحید خالص ہے سے راہنمائی لیتے ہوئے چند حروف لکھنے کی جسارت کرتے ہیں۔ تاکہ ہمیں مکمل طور پر عقیدہ توحید کی خبرداری نصیب ہوسکے۔

مسئلہ توحید قرآن حکیم کی متعدد آیات سے ظاہر ہے۔ لیکن سورۃ اخلاص میں اس کا جامع مکمل واکمل تصور دیا گیا ہے۔ اس سورہ مبارکہ کو سورہ توحید بھی کہا جاتا ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے اپنی توحید

کامل کا ذکر درج ذیل سات عنوانات سے فرمایا ہے۔

ا:- (**قل**) عنوان رسالت ہے، جو واسطہ رسالت کہلاتا ہے۔

۲:- (**ھواللّٰہ**) ذات حق کا فوق الادراک ہونا

۳:- (**احد**) عنوان احدیت

۴:- (**اللّٰہ الصمد**) عنوان صمدیت

۵:- (**لم یلد**) لاوالدیت

۶:- (**لم یولد**) لاولدیت

۷:- (**کفواً**) **لاکفویت**

اللہ رب العزت نے سورہ اخلاص کا آغاز لفظ قُل سے فرما کر عنوان رسالت و وسیلہ رسالت کا اعلان فرما دیا ہے۔ اور لازم کر دیا ہے کہ بغیر وسیلہ رسالت کوئی اپنے عقل وفہم سے یہ معلومات بالتحقیق رکھتا ہو کہ خدا ہے۔ اللہ ایک ہے اور وہ وسیلہ رسالت اور ذریعہ رسالت کو نہ مانے تو اسکی ذاتی تحقیق کو ایمان یا عقیدہ توحید نہیں کہا جا سکتا۔ ھواللہ اور یہ عقیدہ واحدانیت تب ایمان بنتا ہے جب اس ایمان میں ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ یا وسیلہ بنایا جائے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ صدق الله العظیم

تفسیر لفظ قُلۡ :-

یہ خطاب جناب سرور کائنات وجہ تخلیق کائنات حبیب رب کائنات سے محبوب یہ ساری میری ہی مخلوق ہے۔

مگر یہ یوم الست میں کیا ہوا وعدہ بھول چکے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں یہ بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ یہ مارے مارے میری تلاش میں دنیا کے ظلمت کدوں میں دھکے کھا رہے ہیں۔ کوئی ان سے اپنی جبین نیاز بتوں کے سامنے جھکاتا ہے، کبھی کوئی سورج کو بہت بڑا تصور کر کے اسکے سامنے سجدہ ریزیاں کر کے اپنے دل کی تسکین چاہتا ہے۔ کوئی ان میں سے پانی کو جل پوتر سمجھ رہا ہے، کوئی گائے جیسے جانوروں کے سامنے اپنا سیس نوا رہا ہے۔ یعنی یہ میرے بندے محبوب مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ کوئی طبقہ یہ خیال کرتا ہے ہر کام کا الگ الگ رب ہے اور پھر ان تمام ربوں کا بھی ایک رب ہے۔ جسے رب الارباب یا ایشور کہا جاتا ہے۔

محبوب یہ میری مخلوق ہے، میرے بندے دن رات میری تلاش میں سرگرداں ہیں۔ یہ وقت کے فلسفی بھی بڑے منطقی عالم بھی ہوں، ماہر

نفسیات بھی ہیں۔ مگر یہ اپنی عقل و خرد اور معلومات سے مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہذا یہ خبر محبوب تیرے پاس ہے۔ تو تو اپنے رب کی معرفت رکھتا ہے۔ اس مخلوق کو یہ خبر بتادے جب تیری زبان فیض ترجمان سے میری معرفت حاصل کرلیں گے تو راہ راست حاصل کرلیں گے۔ معنی یہ ہوا کہ رب تک بغیر راہنمائی رسالت کے نہیں پہنچا جا سکتا اور ایمان وہ ہی متحقق ہوگا جو بوسیلہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ملا ہوگا۔

حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے پوچھا اے میرے بیٹو، میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ جواب تو بڑا سادہ اور دوٹوک تھا کہ ہم اللہ کی عبادت کریں گے۔

مگر انہوں نے یہ جواب نہیں دیا، اپنی سمجھ بوجھ سے جسے اللہ سمجھتے ہیں اس پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ جواب میں عرض کیا کہ ہمارے والد محترم ہم

قَالُوا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ (البقرہ)

آپ کے اور آپ کے آبا و اجداد حضرت ابراہیمؑ اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ کے اللہ کی عبادت کریں گے۔ گویا کہ رب عبادت کے لائق وہی ہے۔ جس کی اطلاع زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ پھر اسی طرح جب

حضرت موسیٰؑ کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا تو وہ بڑے ماہر اور نامور جادوگری میں

جب ناکام ہوئے تو بے ساختہ پکار اٹھے، (قالوا امنا برب ہارون وموسیٰ)

جادوگروں نے بھی یہی کلمات استعمال کیئے ہیں۔ کہ ہم موسیٰؑ اور

ہارونؑ کے رب پر ایمان لائے۔ یہ نہیں کہا کہ ہم رب یا اللہ پر ایمان لائے۔

اللہ کو تو وہ پہلے بھی مانتے تھے لیکن وہ ان کا رب ان کی عقل وسمجھ بوجھ نے چن

رکھا تھا وہ مرضی کا رب تھا۔ اب جس ایمان کا اظہار کیا جارہا ہے وہ ایمان ان

جادوگروں کو بوسیلہ زبان موسیٰؑ ملا ہے۔ لہذا توحید وہی قابل قبول ہے جو

زبان رسالت سے ملے۔

لفظ قُل کے بعد ھُو سے بیان توحید کا آغاز ہوتا ہے۔

ھُوَ:

اسم ضمیر ہے اور غیوبت کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں پر یہ معنی

نہیں لئے جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ذات جسکے بارے میں

گفتگو ہونے والی ہے وہ بڑی بلند اور عظیم المرتبت ہے۔ انسانی وہم وگمان

عقل وخرد سے بہت دور ہے۔ انسانی عقل کی وہاں تک رسائی ممکن نہیں وہ

کسی کے ادرک میں نہیں آسکتی اور نہ ہی احساسات سے محسوس کی جاسکتی

ہے۔ جبکہ قرآن کریم میں ارشاد وفرمایا جارہا ہے،

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ

ہم بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اتنا قرب ہونے کے باوجود تذکرہ ھو سے کیا جارہا ہے۔

معنی یہ ہوا بلندی مرتبہ اور علو شان کے لحاظ سے انسانی ادراک سے بہت دور ہے۔ اسلئے ھو کا استعمال کرنا اظہار عظمت ہے۔ اور پھر بیان توحید میں اسم ذات لفظ اللہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسم ذات یکتا، تنہا، واحد اور اکیلا ہے۔ باقی تمام اسماء حسنی اور صفاتی نام ہیں۔ چونکہ یہاں توحید خالص کا ذکر ہے اسلئے یہاں اسم ذات استعمال کیا گیا ہے۔ اسمیں قطعا کوئی اشتراک نہیں۔ کوئی دوسرا اللہ نہیں کہلوا سکتا۔ وہ خالق و مالک ہے۔ رازق و معبود ہے۔ اگر کوئی صفاتی نام لگا دیا جاتا تو اسمیں اشتراک کا بھی احتمال ہے۔ مثلاً اللہ رب العزت سمیع وبصیر ہے۔

اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ہ

انسان کو بھی اللہ نے سمیع وبصیر بنایا ہے۔

فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ہ

یہاں پر سمیع وبصیر ہونا مشترک ہے مگر الفاظ پر غور سے فرق واضح مل جاتا ہے۔ جب ان الفاظ کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف ہوگی تو یہ تصور

اور عقیدہ ہوگا (جو آیہ کریمہ کے پہلے لفظ انہٗ سے ظاہر ہے بے شک وہ) سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اسکا دیکھنا اور سننا والی صفت ذاتی ہے۔ کسی نے یہ اسے نہیں دی بلکہ یہ صفتیں ذاتی ازلی اور ابدی ہیں۔

اور جب انسان کے بارے سمیع وبصیر کی نسبت کی گئی تو بڑے کھلے انداز میں وہ ہی خالق و مالک جو خود بھی سمیع وبصیر ہے۔ ارشاد فرماتا ہے، **فجعلناہُ** اسے ہم نے بنایا ہے۔ گویا کہ انسانی سمیع وبصیر کی صفت خالق و مالک کے بنانے سے ہے۔ یہ صفت انسان کی ذاتی اور ابدی نہیں بلکہ یہ عطائی اور حادث ہیں۔ جب یہ فرق قائم رہے تو قطعاً شرک کا احتمال نہیں ہوسکتا۔ یعنی سمیع وبصیر میں اشتراک ہے مگر فرق عطائی اور ذاتی ہے۔ اللہ صفات میں خالق و مالک ہے مگر بندہ مخلوق ہے۔ اسی طرح اور بڑی مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ تفہیم اور سمجھنے کیلئے ایک دو مثالیں کافی ہوتی ہیں۔ مقصد تو بات کو ذہن نشین کرانا ہوتا ہے۔ تا کہ توحید خالص کا تصور درست ہوسکے۔

اللہ بھی کریم ہے — نبی پاک ﷺ بھی کریم ہیں۔

اللہ بھی رؤف الرحیم ہے — نبی پاک ﷺ بھی رؤف ورحیم ہیں

خالق ومخلوق کا فرق قائم رکھتے ہوئے صفات مشترکہ پڑھیں لکھیں جائیں اعتقاد درست رکھے جائیں تو پھر توحید خالص میں قطعاً فرق نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ بیان توحید میں اسم ذات کا استعمال ہوا ہے۔ اس سارے کلام سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اللہ رب العزت کی جتنی بھی صفات مشترکہ ہیں انسان کو اپنے انبیاء کو اولیاء کو اسی ذات نے عطا فرمائی ہیں۔ لہٰذا یہ توحید خالص ہے۔ جس میں شرک کا کوئی شائبہ نہیں۔

باب دوم: ردِ شرک و اقسامِ شرک

اقسام شرک:-

۱:- شرک فی الالوہئیت

۲:- شرک فی الربوبئیت

۳:- شرک فی الاسماء والصفات

۴:- شرک فی التحریم

۵:- شرک فی الاحکام

۱:-شرک فی الالوہئیت کی اقسام:

(۱) **شرک فی العبادات:** اللہ تعالی کے سوا کسی غیر کو معبود ماننا۔

(۲) **شرک فی القدرت:** اللہ تعالی کے سوا کسی اور کو قادر ومطلق یا حقیقی متصرف بالذات ماننا۔

(۳) شرک فی الدعا: اللہ تعالی کے سوا کسی اور کے قبول یا عدم قبول کا یقین رکھنا اور بالذات اس پر توکل کرنا۔

۲:-شرک فی الربوبیت کی اقسام:

(۱) شرک فی الذات: اللہ تبارک وتعالی کی ذات کے علاوہ کسی دوسرے کو اسکا ثانی و ہمسر ماننا اس کے لئے بیوی والدین اور اولاد کا عقیدہ رکھنا۔

(۲) شرک فی الخلق و ایجاد: اللہ تبارک تعالی کے سوا کسی اور کو خالق و مالک بالذات ماننا۔

۳:-شرک فی الاسماء والصفات کی اقسام:

(۱) شرک فی الاسماء: اللہ رب العزت کے خاص اسماء مبارکہ میں کسی اور کو شریک سمجھنا۔

(۲) شرک فی الصفات: اللہ تعالی کی ذات کے علاوہ کسی دوسرے کو اسکی خاص صفات میں شریک جاننا۔

(۳) شرک فی الافعال: اللہ تعالی کے علاوہ دوسروں کو اس کے خاص افعال میں شریک ٹھہرانا۔

۴:-شرک فی التحریم کی اقسام:

(۱) شرک فی الندوہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے منتیں ماننا، کھیتی باڑی کاروبار اور چوپایوں سے حصے بطور نذر عبادت نکالنا اور ماننا۔

(۲) شرک فی الحلف: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نام کا شرعی حلف اٹھانا یعنی قسم کھانا۔

۵:-شرک فی الاحکام کی اقسام:

(۱) شرک فی الحکم الکونی: اللہ تعالیٰ کا وہ ازلی فرمان جو اس کائنات کو وجود میں لانے کیلئے جاری فرمایا۔ اس میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک سمجھنا یا اس جیسا تصرف کسی اور کیلئے ثابت کرنا۔

(۲) شرک فی الحکم الشرعی: اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اکرم ﷺ کے فرامین کی طرح کسی اور کے اقوال وکلام قرآن وسنت جیسی حجت ماننا۔

عزیزان گرامی، شرک کی تمام تر اقسام بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آج کے نام نہاد ملاؤں اور دین کے ٹھیکے داروں نے شرک کو بڑا ہلکا اور عام سا سمجھ رکھا ہے، جبکہ شرک کا حتمی اور قطعی فیصلہ کرنے کیلئے یہ ضروری ہے تعین کیا جائے گا کہ جس امر کو شرک کہا جا رہا ہے اس کا الٹ بھی اسکی ضد

توحید کا انکار صریحی ہے۔ اور توحید کا انکار صریحی کفر ہے۔ اور شرک کوئی ایسی ٹوپی نہیں جسے کوئی اپنی صوابدید سے جس کے سر پر چاہیں پہنا دیں۔ شرک اور توحید دو متضاد چیزیں ہیں۔

ایک کا اقرار دوسرے کی نفی ہے۔ اگر شرک ہے تو توحید کی نفی ہے۔ اور توحید ثابت ہے تو پھر شرک میں بڑی سوچ بچار اور تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد قطعی فیصلہ کیا جائیگا ورنہ غلط فیصلہ کرنے یا فتوی دینے والے کا اپنا ایمان جاتا رہے گا۔ ہر کام ہر بات میں شرک شرک کی رٹ لگائے رہنا یہ کوئی عقلمندی ہے نہ علمیت۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادت ذات الٰہی کے سوا کسی کے لئے ثابت کرنا یا کرنے کی کوشش کرنا مجازی یا حقیقی ہر اعتبار سے شرک ہی تصور ہوگا۔ ان کلمات سے غلط فہمی بننے کا امکان ہے۔ ہم ذرا مزید وضاحت کرتے چلیں تا کہ عقیدے کے بیمار لوگ اپنی بیماری کے باعث پھر ہر عمل کو شرک نہ کہیں۔ جیسے کہ نماز اللہ کے لئے ہے اور اللہ ہی کی عبادت ہے۔ مگر اس میں قیام بھی ہے رکوع بھی ہے قعدہ بھی۔ یعنی حرکات نماز میں سے اگر کوئی کسی بزرگ کے لئے واجب الاحترام شخصیت کیلئے احتراماً کھڑا ہو جاتا ہے یا ادباً ہاتھ باندھ لیتا ہے تو یہ قیام یعنی کھڑا ہونا شرک نہ کہلائے گا۔ کیونکہ عبادت میں قیام نسبت اللہ کیلئے ہوتا ہے۔ اور یہ قیام

عبادت کیلئے نہیں بلکہ اللہ کے بندے کے احترام کیلئے ہے۔

فوری طور پر ایک ظاہری عمل دیکھا اور بلا تحقیق اور غور کئے اقسام شرک میں کسی کا تعین کئے بغیر زبان دراز کر دینا اور شرک کا فتوی جڑ دینا یہ بالکل جہالت ہے۔

توحید اور شرک دو متضاد چیزیں ہیں جن کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ شرک فقط گناہ یا بد عقیدگی نہیں بلکہ یہ صراحتاً کفر ہے اور انسان کو دائرہ اسلام سے یکسر خارج کر دیتا ہے۔ یہ کوئی مذاق یا کھیل نہیں۔ اب ہم روزمرہ میں ہونے والے معاملات کو زیر بحث لا کر سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، شاید کہ ہماری اس سعی جمیلہ سے کسی کو بھولی بھٹکی راہ سے منزل حق نصیب ہو جائے اور ہماری نجات کا سبب بن جائے۔

اب قرآن کریم سے چند ایک مثالیں پیش خدمت ہیں ان میں جو زیادہ پریشان کرنے والی چیز ہے وہ مزارات اولیاء کی حاضری ہے۔ بعض چڑچڑی طبیعت کے مالک اپنے محدود و محصور علم کے حامل خشک ملاں ایسی حاضری کو شرک کا فتوی بنا دیتے ہیں۔ اور ان جاہل ملاؤں میں جو ذرا اپنے آپ کو صاحب علم تصور کرتے ہیں وہ اس آیت کریمہ کا سہارا لیتے ہیں۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی

ترجمہ: ہم ان بتوں کی پرستش اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیتے ہیں۔ سورہ الزمر آیت نمبر۳)

اب کوئی مومن مسلمان کسی مزار پر جا کر فاتحہ خوانی کرتا ہے یا قرآن کریم پڑھتا ہے۔ جسے پڑھکر صاحب مزار کی روح کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ پھر دعا کیلئے ہاتھ اٹھا کر اپنے رب سے ملتجی ہوتا ہے کہ یا اللہ میں تیرے اس مقرب ولی کے دربار پر حاضر ہوں اور اس کا وسیلہ تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں تو یا اللہ میرا فلاں کام یا پریشانی ہے۔ اپنے اس مقبول و محبوب بندے کے توسل سے میری پریشانی دور فرما دے تو اللہ رب العزت ان اپنے بندوں کی وجہ سے آنے والے ذائرین کے مسائل حل فرما دیتا ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ مزار پر حاضری دینے والے نے دعا کس سے کی اللہ سے؟ مسائل کا حل کرنے والا اللہ، حاجت روا کس کو جانا اللہ کو، وسیلہ کن الفاظ میں پیش کرتا ہے؟ یا اللہ تیرے مقبول و محبوب بندے جب دعا اللہ سے کی جا رہی ہے حقیقی حاجت روا اللہ ہی ہے پھر اللہ کے سامنے جس کا وسیلہ پیش کیا جا رہا ہے اسے اللہ کا بندہ ہی کہا جا رہا ہے تو پھر شرک کہاں سے داخل ہو گیا؟

اب اس آیت کریمہ کے الفاظ اور اسکے پس و پیش پر غور کرتے

ہیں، جب کفار و مشرکین سے پوچھا گیا کہ تم ان بتوں کے سامنے کیوں جھکتے ہو؟ تو ان کے الفاظ یہ تھے نَعْبُدُ هُمْ ہم ان کی عبادت کرتے ہیں۔ بس یہی الفاظ ان کے بطلان اور انہیں جھوٹا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ کیونکہ وہ رب کریم رؤف الرحیم کو یکتا نہیں مانتے اور ان بتوں کو اپنا معبود کہہ رہے ہیں۔ اب عبادت کیوں کرتے ہیں؟ یہ الگ عنوان ہے ان کا یہ کہنا کہ ہم ان کی عبادت کرتے ہیں یہ ہی شرک فی الالوہیت کی قسم شرک فی العبادۃ ہے۔ اس لئے عبادت اور تعظیم میں فرق جاننا ضروری ہے جو اس تصور کو سمجھنے کے لئے تعظیم اور عبادت میں فرق کا جاننا بھی ضروری ہے اور پھر کسی جگہ مزاروں پر حاضری میں یہ احتیاط بھی ضروری ہے۔ اور حاضری دینے والوں پر جو فتوی بازی میں جلدی کرتے ہیں انہیں بھی اس فرق کا اگر علم ہو گا تو پھر وہ بے جا فتوی بازی کی لغویات سے بچ جائیں گے۔

ایک مومن مسلمان بڑے صاف ستھرے پاک کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے رب روف الرحیم کی بارگاہ عالیہ میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ تو تکبیر تحریمہ کے بعد اس طرح کھڑے ہونے کو حالت نماز کہا جاتا ہے۔ اب ذرا ارکان نماز اور افعال پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ

۱) نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا قیام کرنا عبادت ہے۔

۲) رکوع کے لئے قدرے جھکنا عبادت ہے۔

۳) رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہونا عبادت ہے۔

۴) تمام آٹھ ارکان زمین پر لگانا سجدہ عبادت ہے۔

۵) دونوں سجدوں کے بعد دو زانوں بیٹھنا جلسہ کرنا عبادت ہے۔

۶) پھر قعدہ اخیرہ کرنا التحیات میں بیٹھنا عبادت ہے۔

یہ ساری حالتیں تکبیر تحریمہ کے بعد نماز کے اندر ہوں تو عبادت کہلواتی ہے۔ جب بھی کوئی مودب شخص، سچا خادم، تابعدار شاگرد اپنے استاد بزرگ یا کسی عالم دین اور متبع شریعت پیر کے سامنے بیٹھے گا یا کھڑا ہوگا تو پھر ادب کا تقاضہ ہے۔ کہ انہی حالتوں میں سے کوئی ایک اختیار کریگا۔ یعنی اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے تو یہ تعظیماً ہے عبادت نہیں۔

ہاتھ چھوڑ کر بھی کھڑا ہوتا ہے تو یہ بھی تعظیماً ہے عبادت نہیں۔

دو زانوں ہو کر بیٹھے گا تو یہ بھی تعظیماً ہے عبادت نہیں۔

یہ ساری حالتیں نماز میں عبادت اور بزرگوں کے سامنے تعظیم ہیں۔

آخر یہ کونسی چیز ہے جو ایک ہی عمل کو نماز میں عبادت اور نماز سے باہر تعظیم بنا دیتی ہے۔ یہ ہے نیت۔ اور کوئی مسلمان یعنی کسی کے سامنے ہاتھ باندھ کر

کھڑا ہو یا اسے جھک کر ملے یا اس ہی کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھے کبھی بھی بہ نیت عبادت یہ عمل نہیں کر سکتا۔

بندہ اپنے رب کریم کی کبریائی بیان کرتا ہے۔ اس کے سامنے خشوع و خضوع سے جھکتا اور قیام کرتا ہے۔ جس میں تسبیحات پڑھ کر اپنے خالق و مالک کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نہایت تذلل و انکساری سے پیشانی جو اس کی عظمت کا نشان ہے۔ اپنے خالق کے سامنے پیشانی زمین پر لگا کر سجدہ کی حالت اختیار کرتا ہے۔ اور پھر اس میں اپنے رب کی شان علا بیان کرتا ہے۔ مگر کوئی جاہل اجڈ ان پڑھ یہی سجدہ کسی پیر کو یا مزار کی طرف منہ کر کے کرے گا۔ ایک تو وہ اس سجدے میں جو کسی بزرگ کو کیا گیا ہے۔ کوئی تسبیح و تہلیل نہیں پڑھتا۔ نہ جھکتے وقت اس کی کبریائی کا ذکر کرتا ہے۔ فقط ہاتھ پاؤں زمین پر لگا کر پیشانی کو زمین پر لگاتے ہوئے سجدہ کرتا ہے۔

اب یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ کر لیں۔ کہ یہ سجدہ نماز کے اندر عین عبادت ہے۔ اور نماز کے باہر اگر کوئی نادان مجنوں کسی غیر کو سجدہ کرتا ہے۔ اسے سجدہ عبادت نہ کہا جائیگا۔ فقط اپنی قیاس آرائی یا سوچ و بچار سے فتویٰ شرک لگا دینا یہ کم عقلی اور جہالت ہے۔

اس لئے اس معاملے میں سجدہ کرنے والے سے جب نیت

دریافت کی جائیگی تو وہ شخص کتنا جاہل اور گیا گزرا کیوں نہ ہو کبھی بھی نہیں کہے گا کہ میں نے اس شخصیت کی عبادت کی ہے۔ وہ برملا کہہ دے گا کہ میں نے ان بزرگوں کی تعظیم میں یہ سجدہ کیا ہے۔ یہ سجدہ تعظیمی کہا جائیگا۔ امت مسلمہ کے لئے شریعت مطہرہ میں سجدہ تعظیمی بھی حرام ہے۔ جو گناہ ہے، گویا کہ معلوم یہ ہوا سجدہ تعظیمی کرنے والا گنہگار ہوگا مشرک نہیں۔

گناہ اور شرک میں یہ فرق ہے کہ شرک کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ یکسر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ تاوقت یہ کہ توبہ کر کے سرے سے دوبارہ کلمے پڑھ کر ایمان قبول نہ کریگا۔ وہ دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی مسلمان کہلوا سکتا ہے۔ مگر گناہ کا مرتکب اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ بلکہ رب کریم کسی اور نیکی کے بدلے استغفار کرنے اور اپنے رب کریم سے ندامت و شرمندگی اور معذرت کرنے سے معاف فرما دیتا ہے۔ اسلئے ظاہری عمل کو دیکھنے میں فتویٰ شرک لگانا بالکل جہالت ہے۔

آقا کریمؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ روایت کرتے ہیں۔

صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ عَلٰی قَتْلٰی اُحُدٍ ثُمَّ
صَعِدَ الْمِنْبَرَ کَالْمُوَدِّعِ الْاَحْیَاءِ وَالْاَمْوَاتِ فَقَالَ اِنِّیْ
فَرَطُکُمْ عَلَی الْحَوْضِ وَاِنَّ عَرْضَ بَیْنَ اَیْلَةَ اِلٰی
الْحُجْفَةِ اِنِّیْ لَسْتُ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْ بَعْدِیْ
وَلٰکِنِّیْ اَخْشٰی عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا اَنْ تَنَافَسُوْ فِیْهَا وَتَقْتَتِلُوْا
فَتَهْلِکُوْ کَمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ (مسلم شریف میں نقل کیا گیا۔

ترجمہ: نبی مکرم ﷺ نے شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر آپ نے ممبر پر رونق افروز ہو کر اس طرح نصیحت فرمائی جیسے کوئی زندوں اور مردوں کو نصیحت کر رہا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔ اس حوض کا عرض مقام ایلہ سے جحفہ تک کا فاصلہ ہے۔ فرمایا مجھے تمہارے متعلق یہ خدشہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے۔ یہ خدشہ ضرور ہے کہ تم دنیا کیطرف راغب ہو کر ایک دوسرے سے لڑ کر ہلاک ہو جاؤ گے۔

نبی پاک رؤف الرحیم ﷺ نے بڑے کھلے الفاظ میں فرمایا ہے۔ کہ مجھے اپنے امتی کے مشرک ہونے کا کوئی خدشہ یا خوف نہیں کہ میرا امتی ہو اور شرک کرے ایسا قطعاً ممکن نہیں۔ گویا کہ آقا ﷺ نے توحید الٰہی پر اسقدر محنت اور جانفزانی سے کام کر دیا ہوا ہے۔ کہ امت سے شرک کا خوف ہی ختم ہو گیا۔ نہ جانے آج کے نام نہاد توحید پرستوں کو کس بات کا خوف ہے ہر

بات میں ہر کام میں شرک کا خوف دل و دماغ پر مسلط کئے ہوئے نوجوانانِ ملت کو بہکانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اللہ رب العزت انہیں تصورِ توحید سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کی عبادت کرنا شرک ہے، جبکہ اس مسلمان کا اللہ کے ولی کو سجدہ کرنا تعظیم تھا جو کہ سجدہ تعظیمی کہلوائے گا۔

یہ سجدہ تعظیمی بھی شریعت مطہرہ میں حرام ہے۔ یہ شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہے۔ مگر مشرک نہ ہوگا شرک نہیں ہے بلکہ گنہگار ہوا ہے۔ جو کہ اس کے توبہ کرنے سے یا پھر دوسرے کسی نیک عمل کی وجہ سے اللہ اپنا کرم کرتے ہوئے معاف فرمادے گا۔ مگر شرک معاف نہیں ہوتا جب تک شرک سے تائب ہو کر دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی مکمل شرائط پوری نہ کرے۔ اس لئے بغیر سوچے سمجھے زبان درازی کرنا بہت بڑی جہالت ہے۔

اسی طرح بہت سی آیات ایسی ہیں، جو کفار مشرکین کے لئے نازل ہوئیں وہ کفار خواہ کفار مکہ ہوں یا آج کے کفار، کفار و مشرکین ہر دور کے ایک ہی ہوں گے اور ان کیلئے حکم بھی ایک ہوگا۔ اور آیات جو کفار و مشرکین کے لئے نازل ہوئی ہوں ان آیات کو مسلمانوں کے عقائد پر چسپاں کرنا صراحتا جہالت اور کتاب و سنت سے لاعلمی اور احادیث نبویہ سے انحراف ہے۔

۲:- نذر ماننا:

اب اس میں خالصتاً نیت کا دخل ہے۔ نذر اللہ ہی کیلئے مانی جائے گی کسی غیر کے لئے ماننا شرک ہے۔ مگر اس عمل کا ثواب جو اللہ رب العزت عطا فرمائے کسی بزرگ کی روح کو ایصال کیا جا سکتا ہے۔ یہ آیۃ کریمہ جو اسکے رد کیلئے پیش کی جاتی ہے اسکا مفہوم غلط بیان کر کے عوام الناس کو دھوکا دیا جاتا ہے۔ آیہ کریمہ یہ ہے۔

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ

غیر اللہ کا نام بلند نہ کرو۔ الفاظ یہ ہیں وما اھل اور نہ بلند کرو، مقصد یہ ہے کہ اللہ کے نام کے بغیر کسی غیر کا نام نہ لیا جائے یعنی وقت ذبح غیر اللہ کا نام بلند کرنے سے ذبح شدہ جانور حرام ہو جائے گا۔ یعنی کوئی یہ کہے کہ یہ بکرہ گیارہویں شریف کا ہے، یہ نیاز خواجہ اجمیری کیلئے پکائی گئی ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر تو جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنے کی بجائے بسم شیخ عبد القادر جیلانی کہا جائے تو بلا شک و شبہ وہ گوشت حرام ہے۔ اور جس کھانے میں یہ گوشت استعمال ہو گا وہ کھانا بھی حرام ہو گا۔ اسی طرح نیاز بھی اللہ کیلئے پکائی جائے گی۔ اس پر قرآن ہی پڑھا جائے گا اور اس سارے عمل کا ثواب بزرگوں کی روح کو ایصال کیا جائے تو بالکل جائز اور درست ہے۔

فقط کوئی چیز کسی سے منسوب کرنے سے حرام نہیں ہو جاتی۔ اگر کوئی

اسطرح منت مانے کہ یا اللہ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو ہم اپنے پیر خانے

کیلئے یا فلاں بزرگوں کیلئے دیگ پکائیں گے یا اسقدر نذرانہ پیش کریں گے

تو بھی جائز اور درست اس لئے ہے کہ وہ پیر کو حاجت روا بالذات تصور نہیں

کرتا بلکہ جس وقت منت مان رہا تھا تو دعا ان الفاظ میں کر رہا تھا کہ یا اللہ میرا

یہ فلاں کام ہو جائے تو میں اسقدر ہدیہ یا نذرانہ پیش کروں گا جسے منت والا یا

ہدیہ یا نذرانہ پیش کر رہا ہے اسے اللہ کا بندہ ہی کہہ رہا ہے اور منت اللہ کیلئے

مان رہا ہے اور اس بندہ کو متصرف بالذات حقیقی نہیں سمجھتا بلکہ اللہ تبارک و

تعالی کے سامنے اس بندے کا وسیلہ پیش کر رہا ہے۔ اور ایسا عمل اولیاء امت

کی طرف منسوب کر دینا بھی درست ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

اپنے والد گرامی شاہ عبدالرحیمؒ کی کرامات کا ذکر اپنی کتاب انفاس العارفین

میں کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ میرے والد محترم نے بیان فرمایا کہ ان کے

عقیدتمندوں سے ایک شخص جسکا نام فرہاد بیگ تھا اس کو کوئی مشکل پیش آ گئی

تو اس نے نذر مانی کہ اے باری تعالی اگر یہ میری مشکل حل ہو گئی تو میں یہ

اسقدر ہدیہ حضرت صاحب کے حضور پیش کروں گا، چنانچہ وہ مشکل حل ہو گئی

مگر فرہاد بیگ وہ نذر پوری کرنا بھول گیا کچھ عرصہ کے بعد اس کا گھوڑا بیمار

ہو گیا اور ہلاکت کے قریب آ پہنچا۔ میں اس بیماری اور ہلاکت کے سبب سے آگاہ تھا میں نے اپنے ایک خادم کے ذریعے پیغام بھیجا کہ یہ گھوڑے کی بیماری اس نذر پوری نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے سو اپنی وہ منت پوری کرو۔ فرہاد اپنے اس فعل پر شرمندہ ہوا اور فوری طور نذر جو مانی تھی ارسال کر دی تو اس کا گھوڑا شفایاب ہو گیا۔

یہ واقعہ لکھنے کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی رائے اور تبصرہ میں لکھتے ہیں کہ اولیاء صلحاء کی طرف نذر و منت کو مجازاً منسوب کرنا جائز اور درست ہے۔ اور مسلمانان عالم کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ نذر و منت بہ نیت عبادت نہیں ہوتی یہ صرف مقرب ولی اللہ کیلئے مجازاً ہوتی ہے لہذا کوئی قباحت نہیں۔

عزیزان گرامی پھر دوسرے عقائد پر طعن کی جاتی ہے اور بلا تدبر و فکر فتوی بازی سے گریز نہیں کیا جاتا جیسے کہ،

۳:- محافل میلاد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم:

زیادہ دلائل و براہین کی ضرورت نہیں صرف لفظ میلاد پر غور کر لیا جائے تو سارا مسئلہ ہی حل ہو جاتا ہے۔ میلاد کا معنی ہے ولادت یعنی محفل میلاد کر کے اعلان عام ہوتا ہے لوگو ہمارے آقا مولا مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں جو پیدا ہوئے ہیں ان کی ولادت ہوئی ہے اور اللہ وہ ہے جس کی ولادت نہیں

ہوئی وہ ان تمام معاملات سے پاک اور ماوراء ہے۔ اسی طرح بزرگوں کے جو عرس منائے جاتے ہیں یہ سب توحید کا پرچار اور شرک سے بیزاری کا اظہار ہے مزید جانکاری کے لئے ہماری کتاب کلام الحسین فی شان سید المرسلین اور ذکر میلاد حبیب ﷺ کا مطالعہ سبب تسکین روح وایمان ہوگا۔

۴:- اولیاء وانبیاء کو بحرف ندا پکارنا:

دلائل کی دنیا میں جائیں تو قرآن و احادیث بھرے پڑے ہیں۔ مگر یہاں فقط یہ بتانا مقصود ہے کہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو اس نیک عمل کو شرک کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ اور کفار ومشرکین کیلئے اترنے والی آیات کو اپنے مسلمان بھائیوں پر چسپاں کر کے اپنی علمی بددیانتی کا ثبوت دیتے ہوئے شرک کا فتوی جڑ دیتے ہیں۔ ان کے اس علمی شر سے سادہ لوح مسلمانوں کو بچایا جائے۔ بس اس ضمن میں بھی صرف ایک آیت پیش خدمت ہے کیونکہ عقلمند کیلئے اشارہ کافی ہے۔

قُلْ اَنَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ

بے شک جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا وہ بھی تمہاری طرح کے مخلوق ہیں۔

يَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهٗ وَمَالَا يَنْفَعُهٗ

اس قسم کی تمام آیات جو کفار و مشرکین کے عقیدہ باطلہ کے رد میں نازل ہوئیں اب وہ نادان عقل سے عاری نام نہاد ملاں نیک فعال مخلص مسلمانوں پر چسپاں کر کے خوش ہوتے اور بغلیں بجاتے ہیں۔ جبکہ یہ خبر نہیں رکھتے کہ قرآن کی منشاء کے خلاف تحریف کرنے سے اپنا ہی ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ **یدعو** کا معنی عبادت کرنا ہیں۔ من دون اللہ کا معنی وہ بت ہیں جن کی پوجا کرتے تھے خوف طوالت کی وجہ سے صرف ان مفسرین کا ذکر کرتا ہوں جنہوں نے اوپر والے مذکورہ معنی مراد لئے ہیں، کہ کفار و مشرکین اللہ کے سوا بتوں کی عبادت کرتے ہیں جبکہ مسلمان مومن جب کسی اللہ کے ولی کو پکارتا ہے یا یاد کرتا ہے تو یہ عبادت نہیں ہے نہ عبادت ہوتی ہے یہ لوگ تحریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یدعو کا معنی پکارنا ہے جبکہ درج ذیل تمام مفسرین نے معنی عبادت کرنا مراد لیا ہے۔

تفسیر ابن عباس — تفسیر نسفی

تفسیر ابن کثیر — تفسیر جلالین

تفسیر فتح القدیر — تفسیر روح البیان، تفسیر الفوز الکبیر۔

ان کتب کے علاوہ کتب احادیث میں بزرگان دین کو پکارنا ان سے مدد لینا اور ان کے مزارات کی زیارت سے مستفید ہونے کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ ہماری اس کتاب کے آئندہ ابواب میں مطالعہ کر سکیں گے۔ اللہ رب العزت ہمیں تصور توحید اور شرک کے معاملات کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین! بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

اس کے بعد ایک بات بڑی اہم کہی جا رہی ہے اور وہ ہے حقیقت بدعت، کیونکہ ہر کس و ناکس ایرے غیرے نتھو خیرے کی زبان پر یہ الفاظ منڈلاتے پھر رہے ہیں۔

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

لہٰذا ہم آئندہ ابواب میں حقیقت بدعت کے عنوان سے اپنے قلم کو حرکت میں لاتے ہوئے غلط تصور بدعت پر خط تنسیخ کھینچ دیا ہے جسے پڑھ کر انشاء اللہ العزیز شکوک و شبہات کے بادل چھٹ جائیں گے اور روح کو تسکین نصیب ہوگی۔ انشاء اللہ العزیز۔

باب سوم: حقیقتِ بدعۃ

ہمارے معاشرے میں ایک خاص مذہبی نقطہء نظر رکھنے والے لوگ شرک اور بدعت جیسی پرخطر اصطلاحات بلا جھجک بے محل نہایت درشت لہجے میں غلط انداز میں استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے کہ کچھ علم و عقل سے پرکھ لیں کہ یہ عمل جس کو ہم ان الفاظ کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں۔ اس کی شرعی حیثیت کیا بنتی ہے۔ بعض ناجائز، غیر مستحق، مکروہ و حرام امور پر لفظ شرک و بدعت کو منطبق کر کے ایک بھاری مسلم اکثریت کو مشرک و بدعتی قرار دیکر امت سے خارج کرنے کی سعی لاحاصل

کرتے رہتے ہیں۔ جو کہ نہایت ظالمانہ اور جاہلانہ طرز عمل ہے۔ اس سے قبل ہم نے اس کتاب کے پہلے اوراق میں تصور توحید اور رد شرک کے زیر عنوان واضح کر دیا ہے۔ کہ قرآن حکیم کو پڑھنے کا انداز درست ہو تو سوچ کا دھارا درست رہتا ہے۔ ورنہ گمراہی مقدر بن جاتی ہے۔ اب انشاء اللہ العزیز بدعت کی اصل حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں۔ تا کہ باہمی جھگڑوں اور جاہلانہ خلفشار سے محفوظ رہ سکیں۔ اور ممکن ہے اس کے مطالعہ سے غلط فتویٰ بازی اور الزام تراشی سے بچکر راہ راست پر گامزن ہو سکیں۔

اصطلاحات بدعت کی وضاحت درج ذیل ہیں۔

(ا) بدعت کا لغوی مفہوم:

''البدعۃ'' عربی زبان کا لفظ ہے جو بدع سے مشتق ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ کسی مثال نمونہ یا وجود سابقہ کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا۔ اور عدم محض سے وجود میں لانے کے عمل کو عربی میں ''ابداع'' کہتے ہیں۔ یہ مفہوم بدعت علماء لغت اور اقوال محدثین سے واضح ہے۔ امام حجر عسقلانیؒ نے اپنی معروف شرح فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اسکی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ البدعۃ اصلھا ما احدث علی غیر مثال سابق۔ بدعت کی اصل یہ ہے کہ اسے بغیر کسی سابقہ نمونہ کے ایجاد کیا جائے۔

علامہ ابن تیمیہ: بدعت کی تعریف کرتے ہیں اپنے معروف فتاویٰ میں لکھتے ہیں۔

اَلْبِدْعَةَ مَا فَالَفْتَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّهُ اَوْاَجْمَاعِ سَلَفْ اَلْاُمَّهِ مِنَ الْاِعْتِقَادَاتِ وَالْعِبَادَاتِ كَا اَقْوُلُ خَوَارِجِ وَالرَّوَافِضِ وَلْقَدْرِيَّه وَالْجَهْنِيَّه

ترجمہ: بدعت سے مراد ایسا کام ہے۔ جو اعتقادات وعادات میں کتاب وسنت اور اجماع امت کی مخالفت کرے۔ جیسے خوارج روافضی قدریہ اور جھنیہ کے عقائد ہیں۔

اسی طرح دیگر بہت سے علماء نے بدعت کی تعریف کرتے ہوئے ابن تیمیہ کے الفاظ کی تصدیق کی ہے۔ اور اسکی مزید وضاحت کرتے ہوئے ایک معروف غیر مقلدین کے عالم نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں، ہر نئے کام کو بدعت کہہ کر مطعون نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ بدعت صرف اس کام کو کہا جائے گا جس سے کوئی سنت متروک ہوتی ہو۔ اور جو نیا کام کسی امر شریعت کے مخالف نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ مباح اور جائز ہوگا۔

اقسام بدعت:

(۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سیہ

بدعت حسنہ کا معنی یہ ہے کہ وہ کام جو شریعت مطہرہ قرآن وسنت کے کسی حکم سے متعارض ومخالف نہ ہوں بلکہ یہ احکام کسی نہ کسی حکم شریعہ کے تابع ہو اور استنباط کیا ہوا ہو، اب اس میں بھی علماء نے کلام فرمایا ہے اور درجہ بندی کی ہے۔ جو درج ذیل ہیں۔

(۱) بدعت واجبہ (۲) بدعت مستحبہ (۳) بدعت مباح یا جائز

بدعت واجبہ:

یہ وہ کام ہیں جو اپنی ہیئت میں تو بدعت ہی ہیں مگر یہ دین کی ضرورت بن چکے ہوں جسے چھوڑنے سے دین میں حرج ہوتا ہو۔ مثلاً قرآن کریم کے اعراب دینی علوم کی مروجہ تدریس، اصول فقہ، اصول حدیث، صرف ونحو، درس نظامی کا نصاب اور دیگر علوم متداولہ یہ سب علوم نہ ایام رسالت مآب ﷺ میں تھے اور نہ ہی اصحابہ کرام کے زمانہ میں تھے بلکہ قرون ثانی اور قرون ثالثہ میں بھی نہیں تھے۔ قرآن کریم کے اعراب ظالم و سفاک حجاج بن یوسف نے دوسری صدی ہجری میں لگوائے تاکہ پوری امت ایک ہی طرز عمل سے قرآن کی تلاوت کر سکے۔ اور باضابطہ مدارس کا قیام اسکے ہی دور میں ہوا۔ یہ سب علوم متداولہ دین کی ضرورت ہیں۔ جو فقہ کی زبان میں بدعت کہلواتے ہیں۔ مگر یہ بہتر اور احسن بدعت ہیں واجب کا

درجہ رکھتے ہیں۔

بدعت مستحبہ:

یہ شریعت و دین متیں میں وہ کام ہیں جن کے نہ کرنے سے دین میں نہ تو بگاڑ آئے اور نہ کوئی حرج ہو۔ اور اگر کوئی کرے تو ثواب کا مستحق ٹھہرے اور نہ کرنے سے گنہگار بھی نہ ہو۔ مثلاً جیسے مسافر خانے تعمیر کرانا، مدارس کی باضابطہ تعمیر کرنا، محافل میلاد پاک کا انعقاد، بزرگان دین کے اعراس منانا یہ ایسے کام ہیں جنہیں دین میں فرض یا واجب کا درجہ تو حاصل نہیں مگر ہیں یہ نیک عمل جن سے دوسروں کو فائدہ ملتا ہے۔ دین کی اشاعت کا ذریعہ ہیں۔ ان امور سے منع کرنا نیکی سے روکنے کے مترادف ہے۔ جو کہ عمل ابلیس ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنی غفلت کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے نہ کر سکے تو گنہگار نہ ہوگا۔ ہاں گنہگار اس وقت ہوگا جب ان امور کی مخالفت کرے گا اور دوسروں کو یہ عمل کرنے سے روکے گا۔ اس کا اس عمل خیر سے روکنا گنہگار ہونے کا سبب بنے گا۔

بدعت مباح:

وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ کیا گیا ہو اور لوگ اسے اچھا اور بہتر

اور نیک عمل سمجھ کر کرتے ہوں اور یہ کام کسی بھی اصول شرح سے نہ ٹکراتا ہو تو وہ بدعت مباح کہلواتا ہے۔ جیسے کہ مہمان کی مہمان داری میں عمدہ لذیذ کھانا کھلانا، مشروبات سے تواضع کرنا۔ ایسے عمل ہیں جن کا نہ ثواب ہے نہ عذاب۔ کھانا کھلانا بے شک ثواب کا حامل ضرور ہے مگر سادہ بھی ہوسکتا ہے لذیذ نہ بھی ہو تو کھانا ہی رہے گا۔ مشروبات نہ ہوں سادہ پانی ہو تب بھی پیاس بجھ جائے گی۔ اور مہمان ناراض بھی نہیں ہوگا۔ اچھی مشروبات (سے تواضع یہ مباح ہے) دینے سے ثواب میں زیادتی نہیں ہوگی۔ اور نہ کرنے سے گناہ بھی نہیں ہوگا۔

یہ اقسام ہیں بدعت حسنہ کی یہ سارے کام کہنے کو تو بدعت ہیں مگر ایسے نہیں ہیں جنہیں یکمشت رد کر دیا جائے، یا کرنے والے پر بدعتی ہونے کا فتوی لگایا جائے۔ یہ سراسر ظلم اور جہالت ہے۔

بدعت سیہ:

یہ ایسا عمل ہے جس کے ارتکاب سے کوئی سنت متروک ہوتی ہو امت میں اختلاف اور دین میں تضاد واقع ہو اور عمل اصول دین فقہ و حدیث کے خلاف ہو۔ جیسے کہ ارکان اسلام میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اور پانچوں اپنے اپنے اوقات پر فرض ہیں۔

جس طرح قرآن کریم نے ارشاد فرمایا

(اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا)

ترجمہ: بے شک نماز ایمان والوں پر وقتِ مقررہ میں فرض کی گئی ہے۔

ترجمہ: اب کوئی ان میں تحریف کرے پڑھے تو پانچ مگر ان میں اوقات کی تبدیلی کرے کہ ظہر کے وقت ہی عصر ادا کر دے اور مغرب کے وقت ہی عشاء ادا کرے۔ اور ان کو نام دے ظہرین اور مغربین۔ یہ بدعت سیہ ہے کہ سنت مؤکدہ یہ ہے کہ نمازیں اپنے اپنے اوقات پر ادا کی جائیں گی یہ مذہب میں نئی ایجاد ہے۔ اس نئی ایجاد کو بدعت سیہ محرمہ کہا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی برے کام کا آغاز کرتا ہے تو وہ کام کرنے والے جب تک اس پر عمل کرتے ہیں اس برے عمل کا گناہ اسکے آغاز کرنے والے کو بھی جاتا رہے گا جیسے حدیث پاک سے ظاہر ہے۔

مَنۡ سَنَّ فِی الۡاِسۡلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَعَمَلَ بِهَا بَعۡدَہٗ کَتَبَ لَہٗ مِثۡلَ اَجۡرِ مَنۡ عَمَلَ بِهَا وَلَا یَنۡقُصُ مِنۡ اُجُوۡرِهِمۡ شَیۡءٌ وَمَنۡ سَنَّ فِی الۡاِسۡلَامِ سُنَّۃً سَیِّئَۃً فَعَمَلَ بِهَا کَتَبَ عَلَیۡهِ مِثۡلِ وِزۡرِ مَنۡ عَمَلَ بِهَا وَلَا وَلَا یَنۡقُصُ مِنۡ اَوۡزَارِهِمۡ بِشَیۡءٍ

ترجمہ: جس شخص نے مسلمانوں میں کسی نیک طریقہ کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا اس پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ اور عمل کرنے والوں کے اجر سے بھی کچھ کم نہ ہوگا۔ اور جس نے برے عمل کا اجراء کیا تو اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو عمل کرنے والوں کا گناہ بھی عمل جاری کرنے والے کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔

اس حدیث پاک سے معلوم یہ ہوا کہ برے کام کا آغاز کرنے والے کے نامہ اعمال میں تمام ان لوگوں کے برے اعمال کا گناہ جمع ہوتا رہیگا۔ اب روزمرہ میں مروجہ اعمال سیہ کیا ہیں ان پر غور ضروری ہے۔ جلوس میلاد پاک میں بعض لوگ موسیقی کا استعمال کرتے ہیں، کھانے اور پھل کا غلط طریقہ تقسیم جیسے کہ گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر جلوس پر کھانے کی اشیاء پھینکنا یہ سب حرام ہے۔ اس سے رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے اور نظم ونسق بھی خراب ہوتا ہے۔ اسی طرح بزرگان دین کے مزارات پر زائرین و منتظمین ڈھول باجے اور ناچ گانے کا اہتمام کرتے ہیں یہ بھی قطعاً حرام ہے اور بدعت سیہ ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر بعض عقل مند اور دین کے ٹھیکیدار حضرات اصل عمل ہی سے عوام کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ایک ہی

بات ان کی زبان پر جاری رہتی ہے کہ

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم کا ایندھن ہے۔

ہم نے پہلے یہ بات واضح کر دی ہے۔ ہر بدعت بری نہیں ہوتی جو برا کام ہے وہ برا ہے۔ ان برے کاموں کے بارے میں ضلالت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لیکن وہ کام جو ادوار اصحابہ میں شروع ہوئے یا بعد میں شروع ہوئے ہیں تو وہ بھی بدعت مگر بدعت حسنہ کے ذمرے میں آئیں گے۔ جن پر عمل عین ثواب ہے۔ بدعت حسنہ کے سلسلہ میں ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

زید بن ثابتؓ بیان فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مجھے بلایا جبکہ یمامہ والوں سے لڑائی ہو رہی تھی اور حضرت عمر فاروقؓ بھی ان کے پاس بیٹھے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے ابو بکرؓ جنگ یمامہ میں کتنے حفاظ قرآن شہید ہو گئے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کریم کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ وہ کام کس طرح کر سکتا ہوں جسے رسول کریم ﷺ نے نہیں کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا خدا کی قسم یہ بہتر کام ہے اور اچھا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب

بار بار اسی بات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرمانے لگے کہ اللہ رب العزت نے میرا سینہ کھول دیا اور میں اس بات پر راضی ہو گیا۔ پھر زید بن ثابتؓ کو بلایا گیا اور حکم دیا گیا کہ اے زید تو چند حفاظ قرآن کریم کو اکٹھا کر کے ان سے قرآن سن کر کسی چیز پر لکھ لے تا کہ اس کا کوئی حصہ شہادت حفاظ قرآن کی وجہ سے ضائع نہ ہو جائے۔ پھر زیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے بھی وہی الفاظ دہرائے جو آغاز میں امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرما رہے تھے۔ کہ میں ہرگز ہرگز وہ کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں جو ہمارے آقا ﷺ نے نہیں عمل فرمایا۔ میں یہ بدعت نہیں کروں گا۔ مگر ان کے بار بار سمجھانے سے بات کی اہمیت میرے ذہن میں آ گئی اور پھر میں نے قرآن کریم کو درختوں کے پتوں پر اور کپڑے کے ٹکڑوں پر لکھا۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں احادیث اور اعمال متقدمین سے مل سکتی ہیں۔ لہٰذا تفصیلات لکھے بغیر اب چند مثالیں لکھ دی جاتی ہیں۔ تا کہ بات کھل کر سامنے آ جائے اور کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کہنے والوں کی زبان میں اہمیت واصلیت کی لگام آ جائے اور فتویٰ سے گریز کرتے ہوئے سنجیدگی سے اپنے گریباں میں جھانک کر دیکھیں کہ ان میں کتنے ایسے امور ہیں جنہیں وہ بڑھ چڑھ کر کرتے ہیں اور دوسروں پر بدعتی ہونے کا فتویٰ بھی لگاتے ہیں۔

قرآن کریم اللہ رب العزت کا کلام ہے۔ اور ایسا کلام ہے جس میں قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا۔ جو شک بھی عقل انسانی میں آ سکتا ہے یہ مقدس کتاب اس سے پاک ہے۔

اب قرآن کریم میں رب کائنات ارشاد فرما رہا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا

البقرہ آیت نمبر ۲۶۔ یعنی قرآن وہی ہے آیات وہی ہیں۔ مگر بعض پڑھنے والے گمراہ ہو جاتے ہیں اور بعض پڑھنے والے ہدایت پاتے ہیں۔ گمراہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اصل قرآن کو مغز قرآن کو اور منشاء قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ فقط سطحی قسم کا ترجمہ لیا اور مطلب کی بات نکال لی۔ نہ شان نزول دیکھا نہ سیاق وسباق کو پڑھا نہ اسکے مطابق احادیث نبوی تلاش کیں۔ بس ایک تصور لیکر بیٹھ گئے تو ایسے لوگ جو ہیں ایمان کھو بیٹھتے ہیں، گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ اور ہر وقت شرک و بدعت کی تلوار لئے سادہ لوح مسلمانان عالم کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ اور اپنے ایمان کا خون کر دیتے ہیں۔ اس لئے ہم کوشش یہ کر رہے ہیں کہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو صرف تعصب کی بھینٹ چڑھے ہوئے ہیں۔ ہر چیز کو ایک ہی لاٹھی

سے ہانکتے ہوئے بغیر سوچ و بچار کے ہر ایک پر شرک و بدعت کی الفاظی حدیث کی زبان میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ کتنے کام ہم خود بھی ایسے کر رہے ہیں جو صحابہ کرامؓ نے نہ کئے تھے اور نہ ہی ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے اور نہ ہی کرنے کا حکم دیا اور حدیث کے کلمات ہر پر صادق نہیں آتے۔ حدیث پاک (**کل بدعته ضلاله**) ہر بدعت گمراہی ہے اور تمام گمراہیاں جہنم میں لیجانے والی ہیں۔ اقسام بدعت ہم بیان کر چکے ہیں۔ اب درج ذیل فہرست پر غور کیجئے اور اپنے اپنے اعمال کا جائزہ لیں۔

(۱) مساجد کا موجودہ طریقہ تعمیر پہلے ایسی مساجد نہ تھیں بدعت ہے۔

(۲) مساجد میں محراب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بنائی تھیں بدعت ہے۔

(۳) قرآن کریم موجودہ شکل مجلد بعد میں بنائی گئی بدعت ہے.

(۴) قرآن کریم پر اعراب پہلے نہ تھے ظالم حجاج بن یوسف نے لگوائے بدعت ہے۔

(۵) دینی مدارس کی تعمیر اور موجودہ طریقہ تعلیم پہلے نہ تھا بدعت ہے۔

(۶) دینی مدارس میں درس نظامی کا سلیبس مقرر کرنا پہلے نہ تھا بدعت ہے۔

(۷) فقہء اسلامی اور آئمہ اربعہ کا نظام پہلے نہ تھے بدعت ہے۔

(۸)　اصول تفسیر القرآن پہلے نہ تھے　بدعت ہے۔

(۹)　اصول حدیث اور درجہ بندی حدیث پہلے نہ تھی　بدعت ہے۔

(۱۰)　صرف ونحو کا پڑھنا پڑھانا پہلے نہ تھا بدعت ہے۔

(۱۱)　دیگر تمام علوم نقلیہ وعقلیہ وعلوم متداولہ بدعت ہے۔

(۱۲)　جمعہ کی ایک اذان تھی دوسری اذان پہلے نہ تھی　بدعت ہے۔

(۱۳)　قرآت القرآن کی اقسام پہلے نہ تھیں بدعت ہیں۔

(۱۴)　جمعہ کے اردو زبان میں خطاب بدعت ہے۔

(۱۵)　سیرت پاک کی جلسے اور سیرت کانفرنسیں بدعت ہیں۔

(۱۶)　جلسہ ٔمیلاد کی موجودہ شکل بدعت ہے۔

(۱۷)　جلوس میلاد اور جلسہ جشن نزول قرآن بدعت ہے۔

(۱۸)　جلسہ شان اصحابہ بدعت ہے۔

(۱۹)　جلسہ شان اہلبیت　بدعت ہے۔

(۲۰)　بزرگان دین کے اعراس منانا بدعت ہے۔

(۲۱)　ایصال ثواب کے مختلف طریقے بدعت ہیں۔

(۲۲)　صلوٰۃ التراویح کی جماعت اوراسمیں ختم قرآن　بدعت ہے۔

(۲۳)　اذان فجر میں، اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمَ

کے الفاظ بدعت ہیں۔

(۲۴) کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھانا بدعت ہے۔

اب آپ حضرات غور کریں کیا یہ سب کام جن کی فہرست دی گئی ہے امت میں رائج ہیں یا نہیں۔ اور پھر ان کے کرنے سے دین کے فرائض و واجبات میں کہاں کوئی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ ان کے بغیر اشاعت دین، تعلیمات دین اور تبلیغ دین ممکن ہی نہیں۔ یہ سارے بدعت ضرور ہیں مگر بدعت حسنہ ہیں جسکی وضاحت پہلے ہم کر چکے ہیں۔ یہ تمام امور نیک اعمال ہیں اس لئے جائز اور درست ہیں۔ فقط یہ الفاظ کہہ کر کہ (کل بدعۃ) ہر بات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

لہٰذا پرکھ کرنی پڑے گی ہوش اور عقل کو استعمال میں لانا پڑیگا۔ تعصب کا چشمہ آنکھوں سے ہٹانا پڑے گا پھر کہیں جا کر اللہ رب العزت کھرے کھوٹے کی پہچان عطا فرمائے گا۔

اللہ رب العزت سے استدعا ہے کہ وہ تصدق نعلین پاک صلی اللہ علیہ وسلم دین حق کی صحیح اور درست سمجھ عطا فرمائے آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

تین چیزیں ایمان کو تباہ کر دیتی ہیں

امیروں کی محفل

عورتوں کی صحبت

جاہلوں سے بحث

حضرت علی رضی اللہ عنہ

حق بات کی پہلی نشانی ہے

اسکی ہمیشہ مخالفت ہوتی ہے

جسکی کوئی مخالفت نہیں

وہ قطعاً حق نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ

باب چہارم تصورِ وسیلہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْآ اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَ جَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ

اللہ رب العزت نے اس کائنات کو ایک نظام میں مربوط کر رکھا ہے۔ یہ سب کچھ ایسے حادثاتی طور پر وجود میں نہیں آیا۔ بلکہ ہر چیز کی تخلیق کا مقصد ہے اور ایک کو دوسرے سے منسلک کر دیا ہوا ہے۔ اللہ رب العزت نے بنی نوع انسان کو پیدا فرما کر ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی رشد وہدایت کے لئے برگزیدہ انبیاء علیہ السلام کا مقدس سلسلہ جاری فرمایا۔ اور پھر انہیں تعلیم انسانیت کے لئے الہامی کتب وصحائف سے آراستہ فرمایا۔ اللہ عزوجل قادر مطلق ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ لفظ کن سے نیست کو ہست میں تبدیل فرما سکتا ہے۔ انسان کو پیدا فرما کر عقل وفہم سے نوازا اور اسکی آزمائش کے لئے ابلیس کو پیدا فرمایا اور بنی نوع انسان پر کرم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ سورۃ یٰسین آیت نمبر ۶۰-۶۱

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ

ترجمہ: یعنی اے بنی آدم شیطان کی پیروی نہ کرنا وہ تیرا کھلا دشمن ہے۔ میری عبادت کرو یہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ یعنی دو راستوں کی اطلاع (مع فوائد ونقصان) دے کر انسان کو دونوں میں سے ایک کو منتخب کرنے کے

لئے عقل سلیم عطا فرمادی۔ یہیں نہیں چھوڑ دیا بلکہ یوم الست میں کئے ہوئے وعدہ کی یاد دہانی کے لئے انبیاء کا سلسلہ جاری فرمایا وہ ذات قادر مطلق ہے۔ چاہتی تو بغیر انبیاء کے اپنا کام نظام خود ہی چلا سکتی تھی اور کسی کو انکار کی جرات بھی نہ ہوتی۔ اس ذات کی مرضی کے خلاف کوئی کچھ نہ کر سکتا مگر اس ذات نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ ایک نظام دیا ہے۔ اور قانون بنادیا کہ گویا کہ جب کوئی پیغام یا حکم اپنی مخلوق انسان کو دینا ہوتا ہے تو وہ اپنے برگزیدہ مقبول محبوب بندوں (انبیاء) کے ذریعے سے پہنچاتا ہے۔ یعنی وہ ذات ایسا کر کے واضح کر رہی ہے کہ اصول زندگی اور قانون حیات کائنات میں ایسا ہے۔ کہ بغیر وسیلہ کے کوئی کام بھی سر انجام نہیں دیا جا سکتا۔

وسیلہ کا معنی ہوا ذریعہ، سبب اور ذریعہ اصل نہیں ہو سکتا اللہ رب العزت کا قرب اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جو ذریعہ استعمال کیا جاتا ہے اسے وسیلہ کہا جاتا ہے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جو ذریعہ بھی اختیار کیا جائے وہ شریعت مطہرہ کے عین مطابق ہو۔ اسمیں کوئی غیر شرعی امر شامل نہ ہو۔ لہذا معلوم ہوا کہ وسیلہ اصل نہیں ہو سکتا۔ یہ ذریعہ ہے قرب الٰہی کا تو یہ کہا جا سکتا ہے اور کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وسیلہ شرک نہیں بلکہ شرک کا توڑ ہے۔ حضرت امام اسماعیل بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری شریف میں جناب

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت فرمایا ہے۔

یہ حدیث قدسی ہے۔ رب کائنات کا ارشاد گرامی قدر ہے

مَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِنَوَافِلَ حَتّٰی اُحِبُّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا

ترجمہ: میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ پھر میں اسکی سماعت بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے۔ پھر میں اسکی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ پکڑتا ہے۔ پھر اس کا چلنا میرا چلنا ہو جاتا ہے۔

اس قدسی حدیث پاک سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے کو اسقدر قرب عطا فرما دیتا ہے کہ اس کے ہر ہر فعل کو اپنا فعل قرار دے رہا ہے۔ یعنی اللہ کا مقرب بندہ (ولی) اپنی مرضی سے کچھ کرتا ہی نہیں۔ اس کا سننا، دیکھنا، پکڑنا، چلنا سب اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے ہے۔ جب اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ایک گنہگار بندہ اللہ کے اس ولی کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے دعا مانگے گا تو یقیناً وہ دعا ضرور قبول ومقبول ہوگی۔

اب دوسرا نقطہ یہ ہے کہ بندہ کو اپنے رب کریم کا اسقدر قرب نصیب ہونے کے باوجود بھی وہ بندہ ہی رہتا ہے۔ اور اس نیک پارسا اللہ کے ولی کا وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور الفاظ یہ استعمال ہوتے ہیں۔ کہ اے اللہ تبارک وتعالیٰ میں تیرے اس مقبول ومحبوب بندے کی بارگاہ میں حاضر ہو کر تیری بارگاہ میں اس تیرے مقرب بندے کا وسیلہ پیش کرتا ہوں تو میری دعا قبول فرما۔ یعنی باوجود اسقدر قرب ہونے کے وہ بندہ ہی رہا ہے۔ ذریعہ ہی بن سکتا ہے۔ اصل نہیں بن سکتا۔ جب اصل نہ ہوا تو پھر شرک بھی نہ ہوا۔ انشاء اللہ العزیز قرآن واحادیث کی روشنی میں یہ تصور واضح کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم کی سورۃ فاتحہ ہی کو لے لیں۔ رب کریم ارشاد فرمار ہے ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ روز جزا کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

ایک مؤمن مسلمان بڑی توجہ وانکساری اور انہماک کے ساتھ اپنے خالق ومالک کے حضور اسکی ہی دی ہوئی تعلیم کے مطابق اپنی نیازمندیاں

پیش کرتا ہے۔ عرض کرتا ہے یا اللہ سب تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ تو ہی تمام

جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اور تو ہی یوم حشر کا مالک ہے۔ اس دن تیری ہی

حکومت ہوگی۔ یوم حشر چونکہ بڑا سخت دن ہے۔ ہر ایک نفسی نفسی پکار رہا ہوگا

۔ تو اس وقت کئی پریشانیوں سے نجات کے لئے مددگار کی ضرورت محسوس

ہوگی۔ کسی نہ کسی کے وسیلہ کی ضرورت ہوگی تو خود وہ خالق و مالک رب فرما رہا

ہے۔ میری بارگاہ سے کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر اپنی عبادت پر اپنی

نمازوں پر نہ اتراؤ بلکہ اپنی عاجزی ان الفاظ میں پیش کرو۔ کہو

اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ ان الفاظ

میں اپنی عاجزی کا اظہار ہے کہ اے اللہ میری عبادت بڑی ناقص ہے۔ یہ

خشوع وخضوع سے خالی ہے۔ عجز و نیاز سے خالی ہے۔ یا اللہ تیرے مقبول و

محبوب بندے جن کی عبادات نہایت تذلل و انکساری میں ڈوبی ہوئی ہیں۔

اور تجھے محبوب ہیں۔ ان تیرے پاک بندوں کی عبادت کے ساتھ ملا کر اپنی

ناقص عبادت پیش کرتا ہوں تا کہ ان مقربین کے توسل و تصدق سے میری

ٹوٹی پھوٹی عبادت قبول ہو جائے۔ اسی لئے یہاں جمع کا صیغہ استعمال کیا

جاتا ہے یعنی خود رب کائنات وسیلہ اپنانے کی تعلیم دے رہا ہے۔ یہیں پر ختم

نہیں کر دیا پھر مزید راہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

جن لوگوں پر میں نے انعام کئے ہیں جن کی عبادت میں کبھی رد نہیں کرتا مجھ سے ان

لوگوں کو راستہ طلب کرو۔ تا کہ تم بھی میری بارگاہ میں شرف وعزت وقبولیت پاسکو۔ تو اپنی درخواست ان الفاظ میں پیش کرو۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

التجا کی جاتی ہے یا اللہ جن لوگوں پر تو نے انعام کیا ان کا راستہ دکھا یہاں پر خود خدائے پاک ہمیں اپنے انعام یافتہ بندوں کی طرف راغب فرما رہا ہے۔ انسانی عقل سوچنے پر مجبور ہے۔ کہ وہ کون نیک اور خوش بخت لوگ ہیں جن کی بات رب کائنات، خالق کائنات خود کر کے اپنی گنہگار مخلوق کو ان کی طرف متوجہ فرما رہا ہے۔ اگر غیر کی طرف متوجہ ہونا ان کا وسیلہ اپنے معاملات میں پیش کرنا شرک ہوتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو ان پاک مقرب بندوں کی طرف نہ بھیجتا۔ اب سوال ہوتا ہے۔ یارب کریم ہمیں ان اپنے مقربین کی خبر دے تا کہ ہم بھی ان کی سیرت پر عمل کر سکیں اور تجھے خوش کر سکیں۔ تو رب کریم کرم کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ اور اپنے مقبول ومحبوب بندوں کی نشاندہی کرتے ہوئے۔ اعلان فرما رہا ہے۔ سنو میرے مقبول بندے جن پر انعامات کئے ہیں جن کا راستہ تمہیں سکھلانا اور دکھلانا اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ

(سورة النساء آیت ۶۹۔)

ترجمہ:- بے شک اللہ سے انعام یافتہ لوگ انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء صالحین ہیں۔ اور ان کی سنگت ان کی مجالست ان کی رفاقت و دوستی بہترین دوستی ہے۔ جو اس دنیا میں بھی کام آنے والی ہے اور دوسرے جہاں میں بھی۔ یہاں پر سخت پریشانی کا ماحول ہوگا نفسہ نفسی کا عالم ہوگا اس ماحول کے بارے میں قرآن کریم ان الفاظ کی منظر کشی کر رہا ہے۔

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ

(سورہ الزخرف ٦٧)

اللہ رب العزت اس دن کا نقشہ کھینچ رہا ہے وہ دن ایسا سخت ہوگا۔ تمام دوستیاں تمام محبتیں خواہ وہ والدین کی محبت ہو اولاد کی محبت ہو دوست یاروں کی محبت ہو عزیز و اقارب و رشتہ داروں کی محبت ہو وہ ساری محبتیں جو دنیا میں انسانی ماحول میں اس سے وابسطہ ہونگی سب محبتیں کرنے والے ایسے ہونگے جیسے کہ یہ آپس میں دشمن ہوں۔

گویا دنیا کی تمام محبتیں دشمنیوں میں بدل جائیں گی مگر وہاں بھی اتنے سخت اور نفسہ نفسی کے ماحول میں بھی صرف اور صرف ایک محبت نہ ختم ہونے والی ہے۔ نہ ضائع ہونے والی ہی بلکہ وہ محبت ہی اسوقت سخت اور مشکل وقت میں کام آنے والی ہوگی۔ وہ محبت ہوگی اللہ کے بندوں کی محبت

اللہ کی رضا کے لئے کی جانے والی گویا نسبت اولیاء اللہ محبت اولیاء، صحبت اولیاء اللہ وہاں بھی کام آئے گی۔ اور ان اولیاء کی محبت کے وسیلہ سے ہم گنہگاروں پر کرم فرمادے گا۔ اور اپنے ان مقبول ومحبوب بندوں کے ساتھ ملا دے گا۔ جیسا کہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حدیث پاک نقل کی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: لَوْ اَنَّ عَبْدَیْنِ تَحَابَا فِی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَاحِدٌ فِی الْمَشْرِقِ وَآخَرُ فِی الْمَغْرِبِ لَجَمَعَ اللّٰہُ بَیْنَہُمَا یَوْمَ الْقِیَامِ یَقُوْلُ ھٰذَا الَّذِیْ کُنْتَ تُحِبُّہٗ

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر وہ بندے اللہ کے لئے اللہ کے بندوں سے محبت کرتے تھے۔ ان میں سے ایک مشرق اور دوسرا مغرب میں اور دنیا میں کبھی مل نہیں پائے۔ مگر اس شنید پر کہ وہاں اللہ کا ولی رہتا ہے۔ اللہ کی رضا کے لئے اس اللہ کے ولی سے محبت کرتا رہا۔ آج یوم قیامت کو جبکہ کائنات کا ہر فرد بشر موجود ہے۔ تو اللہ رب العزت ان دونوں کو آپس میں ملا دے گا۔ اور فرمایا جائے گا۔ یہ وہ شخصیت ہے۔ اے میرے بندے جس سے تو ساری عمر میرے لئے محبت کرتا رہا۔ آج تمہیں تیرے اس محبوب کے ساتھ ملا دیا ہے۔ گویا کہ یوم قیامت متقین اور اولیاء اللہ کی

محبت کام آئے گی اور قیامت کی ہولنا کیوں سے بچ جائے گا۔ یہ قیامت کی پریشانیوں سے بچنا محض بوسیلہ اولیاء کرام ہوگا۔ اللہ رب العزت قرآن کریم میں تلقین فرما رہا ہے۔

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اتَّقُوْااللّٰہَ وَکُوْنُوْ مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۝

(التوبہ آیت نمبر ۱۱۹)

ترجمہ: اے میرے محبوب سے محبت کرنے والو اللہ سے ڈرو اور سچے اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاو۔

اس آیہ کریمہ میں فرمایا جارہا ہے۔ کہ اے لوگو یہ گروہ صادقین جو اپنے صدق اور اخلاص کی وجہ سے میرا قرب حاصل کر کے درجہ ولایت پر فائز ہو چکا ہے۔ ان پر میری رحمتیں نوازشیں اور عنایتوں کی بارشیں ہمیشہ اور مسلسل ہوتی رہتی ہیں۔

تم اگر اس بات کے متمنی ہو کہ تمہیں قرب نصیب ہو تو پھر میری تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ان کے دامن کرم سے وابستہ ہو جاو۔ پھر جو رحمتیں برکتیں ان پر ہو رہی ہیں ان سے تم بھی فیض یاب ہو جاؤ گے۔ ان کی صحبت اختیار کر لو۔ ان کی مجلس کو اپنے اوپر لازم کر لو تو پھر تم شیطان کے حملے سے بھی بچ جاو گے۔

کیونکہ جب اللہ رب العزت نے سیدنا آدمؑ کا پتلا تیار فرمالیا۔ تو تمام اپنے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے تخلیق کردہ اس شاہکار پیکر آدم کو سجدہ کرو۔ تو تمام فرشتے بلا چون وچراں سجدے میں گر گئے۔ کیونکہ وہ جبلی طور پر تابعدار اور فرمانبردار تھے۔ انہیں یہ غرض نہیں تھی کہ سجدہ کس کو کروایا جارہا ہے۔ انہیں تو فقط اپنے خالق کے حکم کا احترام تھا۔ جب اس خالق و مالک نے حکم صادر فرمایا کہ میرے اس بنائے ہوئے مٹی کے پتلے کو سجدہ کرو تو پھر کسی قسم کی تاخیر کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ لٰہذا وہ سب تابعدار فرشتے فوراً بلا تاءمل سجدہ ریز ہوگئے۔ مگر ایک کھڑا رہا وہ نہ جھکا اس نے سجدہ نہ کیا وہ یہ بھول گیا کہ حکم دینے والا کون ہے۔ اپنے خودساختہ توحید کے نشے میں مخمور حکم الٰہی بھول گیا اور جب اس سے پوچھا گیا۔

مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝

(سورۃ الحجر آیت نمبر ۳۲)

تجھے کیا ہوگیا کہ تم نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا۔ بجائے کہ وہ شرمندگی محسوس کرتا۔ یا ندامت کے کلمات کہہ کر معذرت خواہی اختیار کرتا۔ بڑی ڈھٹائی سے اپنے مواحد ہونے کا اظہار کررہا ہے۔ کہتا ہے۔

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ

صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ (سورۃ الحجر آیت ۳۳)

کہنے لگا کیا میں اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے کھنکھتی مٹی سے بنایا ہے۔ اسکے یہ کلمات بڑے متکبرانہ اور حقارت آمیز تھے۔ گویا کہ در پردہ اس نے بشر کہہ کر اللہ کے اس شاہکار کی توہین کی اور یہ توہین اس پتلائے آدم کی نہ تھی بلکہ بنانے والے کی طرف ضمیر جاتی ہے۔ تو رب ذوالجلال بڑے غضبناک انداز میں فرماتے ہیں۔

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝

(سورۃ الحجر آیت نمبر ۳۴)

اے بے ادب نکل جا یہاں سے تو مردود ہے۔ جب یہ حکم نامہ جاری ہوا تو پھر بھی اس پر کچھ بھی ندامت وشرمندگی ظاہر نہیں ہوئی بلکہ نہایت غیر مہذب اور غیر مؤدب انداز میں کہتا ہے۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

(سورہ ص آیت نمبر ۸۲)

اے اللہ مجھے تیری عزت کی قسم میں ان کو تیری طرف نہیں آنے دوں گا ان کو ضرور بضرور اغواء کروں گا۔ یہ الفاظ کہہ لینے کے بعد گھبرا گیا

کہ میں نے بہت بڑی بات کہہ دی ہے۔ فوراً اپنی اصلاح کرتے ہوئے بول اٹھا۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝

(سورہ ص آیت نمبر ۸۳)

مگر یہ تیرے مخلص بندے میرے حملے سے بچ جائینگے۔ اس پورے مکالمہ کا حاصل یہ ہے کہ جو اللہ کے مخلص اور نیک اولیاء مقرب ہیں۔ ان پر شیطان حملہ آور نہیں ہو سکتا۔ یعنی جہاں پر اولیاء کرام اللہ کے مقرب بندے قیام پذیر ہونگے وہاں ابلیس کا گزر نہ ہوگا۔ اور جو لوگ وہاں ان کی پناہ میں ہونگے ان کے زیر سایہ ہونگے ان کے زیر نگیں ہونگے ان کے دامن عفت و شفقت سے وابستہ ہونگے وہ بھی اس ابلیس کے حملے سے بچ جائیں گے۔ اس لئے تو رب کائنات عظیم رحمت فرماتے ہوئے اس امت پر کرم کی بارشیں کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اے میرے محبوب کے امتیو

كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ ۝

میرے ان مقرب سچے مخلص بندوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ ان کے زیر سایہ رہو گے تو ان کا وسیلہ اختیار کرلو گے تو تم بھی میری رحمت سے اسی طرح نوازے جاؤ گے جس طرح میں نے انہیں عزت و عظمت عطا کی

ہے۔تم پر بھی ان عنایتوں کی بارشیں ہو جائیں گی۔میری رحمت کے دروازے
تم پر ویسے ہی کھل جائیں گے۔جس طرح ان مقربین کے لئے ہیں۔

عزیزان گرامی اللہ رب العزت نے ایسے واقعات قرآن کریم کی
زینت بنا کر ہمیں ترغیب دی ہے۔ ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔اور وسیلہ کا
ایک مکمل درس دیا ہے۔یہ بات تو اللہ کے تمام مقربین کی ہو رہی تھی تو ذرا غور
کریں۔اور قرآن کریم سے پوچھتے ہیں۔اے اللہ کے پاک کلام ذرا ہمیں
بتا سکتا ہے۔جس ذات کے لئے رب کائنات نے یہ بزم کائنات سجائی
ہے۔جن کے قلب رقیق قلب عظیم پر تو نازل ہوا ہے۔اس ذات پاک کے
بارے میں بتا کہ وہ ذات بھی ہمارا وسیلہ بن سکتی ہے۔ان کے بارے میں
بھی ہمیں ذرا وضاحت کر دے، ہماری رہنمائی فرما۔تو رب ذوالجلال کا
ارشاد گرامی سامنے آجاتا ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں اے
میرے محبوب یہ لوگ اپنی قبیح اور بری عادتوں کی وجہ سے میرے عذاب کے
مستحق ہو چکے ہیں۔

اور مجھے عذاب دینے میں کوئی چیز مانع نہیں۔ میں قادر مطلق
ہوں۔ان پر پتھر برسائے جا سکتے ہیں اگر ابابیلوں سے ابرہہ کا لشکر تیری
ولادت سے پہلے تباہ و برباد کروا سکتا ہوں تو ان کو بھی طرح طرح کے

عذابوں میں مبتلا کر سکتا ہوں۔ مگر محبوب یہ تمام تر نافرمانیوں کے باوجود میرے عذاب سے اس لئے بچے چلے آرہے ہیں کہ

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ

(سورہ انفال آیت نمبر ۳۳)

ترجمہ: محبوب تیرا رب انہیں عذاب نہیں دے رہا کہ تو ان میں قیام پذیر ہے۔ گویا صدقہ مصطفیٰ ﷺ ساری کی ساری امت خواہ وہ امت دعوت ہے یا امت اجابت ہے۔ اللہ کے مجموعی عذاب سے بچی چلی آرہی ہے۔ کہ وہ ذات کریم اپنے محبوب کریم کے وسیلہ جلیلہ کا خاص لحاظ کر رہی ہے۔ آج آپ اس دور میں دیکھتے ہیں کہ امت میں کون سا گناہ ہے۔ جو نہیں ہو رہا۔ امت طرح طرح کے جرائم میں مبتلا ہے۔ سود خوری، حرام کاری، جھوٹ، فریب، شراب نوشی قتل و غارت اور دیگر جرائم یعنی ہر قسم کا گناہ ہو رہا ہے۔

پھر بھی یہ امت مجموعی عذاب سے بچی چلی جا رہی ہے۔ تو یہ کرم نوازیاں اور مہربانیاں بوسیلہ گنبد خضرا اور مکین گنبد خضرا ہی ہیں۔ وہ ذات مصطفیٰ ﷺ آج بھی اس امت میں اسی طرح موجود ہیں جسطرح پہلے تھے۔ یہ آیت صرف اس وقت کے لئے نہیں بلکہ تا قیام قیامت آنے والے امتیوں کے لئے ہے۔ لہذا یہ آیت کریمہ حضور اکرم ﷺ کی حیات جاودانی

کی ایک مکمل دلیل ہے اسلیئے مجدد دین امام اہلسنت اعلحضرت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سیرہ العزیز نے ارشاد فرمایا۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میری چشم عالم سے چھپ جانے والے

یہ تو ممکن نہیں کہ قرآن کریم کی اس آیہ کریمہ سے کچھ امت مستفید ہو اور بعد والے نہ ہوں۔ بلکہ اس آیہ کریمہ کی روشنی میں وسیلہ مصطفیٰ ﷺ واضح ہے۔ لیکن عزیزان گرامی ہماری ذمہ داری بنتی ہے۔ اپنے آقاؐ کی سچی غلامی اختیار کریں۔ تعلیمات خیر الانام ﷺ پر بخوبی عمل کریں۔ قبیح اعمال سے پرہیز کریں۔ جھوٹ مکروفریب دجل حرام کاری حرام خوری چوری ڈاکہ زنی عدم عدل وانصاف اور اختیارات کا ناجائز استعمال سے بچیں اور تقویٰ داری و پرہیز گاری اختیار کریں۔ بندے کا کام ہے اپنے مالک کے سامنے سر تسلیم خم رکھے ہر ممکن اپنے مالک کو خوش رکھے۔ اگر کہیں سہواً غلطی ہو گئی یا اپنے رب کی عبادت میں خشوع وخضوع کی کمی رہ گئی تو وہ کریم ذات بوسیلہ غلامی مصطفیٰ ﷺ معاف کر دے گی۔ ہم اس کے در پر جھکیں تو سہی، اور یہ قطعاً ممکن نہیں کہ ایک شخص نافرمان بھی ہو بے ادب بھی ہو اور عظمت محبوب کا بھی انکار کرنے والا ہو اور خیال کرلے کہ بخشا جائے گا۔ یہ تو بالکل تصور ہی

غلط ہے۔ کیونکہ یہ ساری بزم کائنات کی رونق تو فقط سجائی ہی ان کے لئے گئی

ہے۔ اللہ رب العزت اپنے محبوب کے بارے میں تو ذرا سی بے ادبی

برداشت نہیں کرتے، بلکہ ایسے لوگ جو منافقت اور در پردہ مکر و فریب سے

دوسرے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہوں اور دل سے احترام عزت نہ کرتے ہوں تو

اللہ تبارک وتعالی ان پر غضبناک ہو رہا ہے اور ارشاد فرما رہا ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْ سَهُمْ وَرَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝

(سورۃ المنافقون آیت نمبر ۵)

جب انکی مکاریوں اور فریب کاریاں ظاہر ہوگئیں اور یہ شرمندہ

شرمندہ رہنے لگے تو اصحاب رسولؐ نے ان منافقین کو کہا۔ کہ آؤ ہم تمہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی لئے دیتے ہیں۔ تو یہ اپنے سروں کو جھٹکتے ہوئے در

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر آنے سے انکار کرتے ہیں۔ اے محبوب تو نے دیکھا کہ یہ

کیسے متکبرانہ اور گستاخانہ انداز میں اپنی گردنوں کو اکڑاتے ہیں۔ اے محبوب تو

تو سراپا رحمت ہے۔ تجھے میں نے رحمتہ العالمینؐ بنا کر بھیجا ہے تو ممکن ہے

انہیں معاف کردے مگر اے محبوب تو میرا محبوب ہے۔ یہ اس قابل نہیں کہ

تیری گستاخی بھی کریں اور انہیں تیرے پاس آکر معافی مانگنا بھی گوارا نہ

ہو اور یہ تیرے پاس نہیں آسکتے ہوں تو محبوب پھر میں تو انہیں قطعاً معاف نہیں کروں گا۔ فرمایا جارہا ہے۔

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝

(سورہ المنافقون آیت نمبر ۶)

محبوب ان کی بے باکیاں گستاخیاں اسقدر بڑھ گئی ہیں۔ ان کے لئے معافی مانگنا نہ مانگنا سب برابر ہے۔ اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ محبوب یہ تیری عظمت اور عزو احترام کا انکار ہی نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی آنے سے روکنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ انہیں در محبوب پر آنا شرک محسوس ہوتا ہے۔ اپنے مواحد ہونے کا گھمنڈ کرتے ہیں۔ ہمیں ایسی توحید کی قطعاً ضرور تہیں جسمیں توقیر و تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب نہ ہو۔

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم رسولؐ
اس برے مذہب پر لعنت کیجئے

اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میرے قانون استجاب توبہ کے یہ بات خلاف ہے۔ کہ محبوب تیرے در پر نہ آئے۔ تیری عظمت و منزلت دل میں نہ

رکھے تجھے اپنا حکم نہ مانے اور بخشا جائے۔ یہ نہ ممکن ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ اے محبوب ﷺ ہم نے اعلان عام کر رکھا ہے۔ کوئی کتنا بھی گنہگار ہو کیسا بھی گنہگار ہو۔

وہ لاکھ جتن کرے نوافل پڑھ پڑھ کر ذکر و اذکار کر کر دن رات سجدے ریزیاں کرتا رہے۔ ہر روز خواہ ہزاروں بار استغفار کے راگ الاپتا رہے۔ دن رات ہماری عبادت میں ایک کر دے اور معافی مانگتا رہے روتا رہے ان سب نیک اعمال کے باوجود اسکی معافی کا پروانہ جاری نہیں ہو سکتا وہ کبھی بخشا نہیں جا سکتا۔ اس کی خطائیں درگزر نہیں ہو سکتیں۔ جب تک محبوب تیرے در پر نہ آئے، محبوب ﷺ جو تیرے در پر آ کر معافی طلب کرے گا تیرا وسیلہ اختیار کرے تو ہم اس پر کرم فقط تیری ذات کی خاطر کر دیں گے۔ اعلان رب لم یزل یہ ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○

(سورۃ النساء آیت نمبر ۶۴)

ترجمہ: اے محبوب جب یہ تیرے امتی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو تیرے پاس آ جائیں۔ پھر اللہ سے معافی مانگیں۔ اور محبوب تو ان کی

سفارش کر دے تو پھر یہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔

اس آیہ کریمہ پر ذرا غور کریں۔ اسمیں اللہ رب العزت نے قبولیت توبہ کے لیئے شرط رکھ دی ہیں۔ محبوب ﷺ تیرے در پر آ جائیں تیرا دامن تھام کر مجھ سے معافی مانگیں تو پھر میں تیری سفارش پر تیری خاطر توبہ قبول کرنے میں دیر نہیں کروں گا۔ بس شرط پورا کر دیں۔ اور اگر تیرا دامن رحمت ہاتھ سے چھوڑ دیں۔ اور لاکھ توبہ کرتے رہیں۔ بس مردود ہے۔ اللہ کو تو ایک ماننا ہے۔ اللہ رب العزت کی منشاء رضا یہ ہے کہ۔

لوگ میری مخلوق میرے محبوب کی عزت توقیر کرے۔ پھر وہ رب کریم صدقۂ محبوب بوسیلۂ مصطفیٰ ﷺ نہ صرف توبہ قبول کرے گا۔ بلکہ ان پر رحم بھی کیا کرے گا۔ پھر قرآن کریم اس شان رحیمی کو اس انداز میں بیان کر رہا ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ

یعنی جو وہ لوگ زندگی میں گناہ کرتے رہے۔ اور ان کی وہ زندگی جو گزر گئی رب کریم فرمارہے ہیں۔ گناہوں کی وجہ سے جو وقت رتمہارا برباد ہوا ہے۔ وہ تو برباد نہیں کرتے۔ کہ گنہگار بواسطہ محبوب رب کریم معافی مانگ

رہا ہے۔تو اس گنہگار کے تمام گناہ جو موجب عذاب تھے۔صرف معاف ہی نہیں فرماتا بلکہ ان تمام گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما کر احسان عظیم فرما رہا ہے۔یہ اتنا بڑا احسان کیوں کیا ہے۔کہ اس گنہگار بندے نے اپنے رب کی بات مانتے ہوئے دامن محبوب تھام کر در محبوب پر آ کر دہلیز مصطفیٰ ﷺ پر ملتجی ہو کر معافی مانگی ہے۔رب کریم نے خوش ہو کر اسکے گناہوں کو بھی نیکیاں بنا دیا۔اللہ رب العزت کی یہ ساری کرم نوازیاں صرف اسلیئے ہو رہی ہیں۔کہ اللہ رب العزت کو اپنے محبوب کا نام نامی بڑا پیارا ہے۔اور جو بھی اُسکے محبوب سے عشق کرتا ہے۔اُس کا واسطہ پیش کرتا ہے۔وہی نوازا جاتا ہے۔

اب جو سوال ایک عام مسلمان کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔وہ یہ ہے۔امت مسلمہ تو پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔اور ہر ایک کے پاس اسقدر زادسفر نہیں وہ غریب مساکین جو دو وقت کی روٹی مشکل سے پوری کرتے ہیں۔وہ کیسے اتنے لمبے سفر کا خرچہ برداشت کر سکتے ہیں جب اُن کے پاس خرچہ نہیں زادراہ نہیں تو پھر اتنے گناہوں کی معافی مانگنے مدنیہ المنور ہ و مکین گنبد خضرا کی بارگا بیکس پناہ میں حاضر کیسے ہو سکتا ہے۔کیا وہ بغیر معافی مانگے گنہگار ہی مر جائے گا۔وہ غرباء مساکین مفلس امتی کیا کریں کہ وہ بھی تائبین میں شامل ہوسکیں۔

دوستان محترم ہمارے آقا و مولا رحمتہ اللعالمین ﷺ ہیں۔ بالمومنین روف الرحیم ہیں۔ کریم ہیں۔ اپنی اس گنہگار امت کیلئے یہ مسئلہ بھی حل فرما دیا۔ حدیث پاک ہے۔ جسے سیدنا امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے روایت کیا ہے۔

عَنْ عُمَرَ بِنْ خَطَّاب رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ : قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: لَمَا اَصَابَ اٰدَمَ الْخَطِيْئَةَ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ رَبِّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِلَّا غَفَرْتَ لِي ؟ فَاَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَيْهِ وَمَا مُحَمَّدٍ وَّمَنْ مُحَمَّدٍ فَقَالَ يَا رَبِّ اِنَّكَ لَمَا اَتْمَمْتَ خَلْقِيْ رَفَعْتَ رَاسِيْ اِلٰى عَرْشِكَ فَاِذَا عَلَيْهِ مَكْتُوْبٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَعَلِمْتَ اِنَّهٗ اَكْرَمُ خَلْقِكَ اِذَا اقْتَرَنْتَ اِسْمُهٗ مَعَ اِسْمِكَ. قَالَ نَعَمْ قَدْ غَفَرْتَ لَكَ وَهُوَ اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ وَ لَوْلَاهُ مَا خَلَقْتُكَ۔

ترجمہ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب آدمؑ سے بھول ہوگئی تو انہوں نے بارگاہ رب ذوالجلال میں عرض کیا اے اللہ میں آپ سے بواسطہ حضرت محمد ﷺ

درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرمادیجئے۔حق تعالی نے ارشاد فرمایا۔اے آدم، محمد ﷺ کون ہیں؟ عرض کیا جب آپ نے میری تخلیق کی اور میرے اندر روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اُٹھایا تو عرش کے پایوں پر لکھا دیکھا (لا الہ الا اللہُ محمد رسول اللہ) پس میں جان گیا کہ یہ نام جو آپ نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے۔آپ کو بڑا محبوب ہے۔حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہاں یہ نام مجھے پیارا ہے۔میں نے اس نام کے صدقے تیری بخشش کر دی ۔ اے آدمؑ وہ تیری اولاد سے ہونگے اور آخری نبی ہونگے۔اگر انہیں پیدا نہ کرنا ہوتا تو تمھیں بھی پیدا نہ کرتا۔آقا کریم ﷺ نے یہ حدیث پاک ہمیں بیان فرما کر ہم گنہگار امتیوں کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے، اور اس حدیث پاک سے ہمیں درج ذیل نکات ملتے ہیں۔جو ہمیں زندگی کی بہت بڑی امید، رہنمائی ہیں۔

ا:- آقا کریم ﷺ نے واضح فرمادیا اگر آدمؑ کی لغزش میری ولادت سے پہلے میرے وسیلہ سے معاف ہوسکتی ہے تو میری امت کے افراد جو میرے وصال کے بعد آنے والے ہیں اگر وہ میرا وسیلہ دے کر اپنے رب سے گناہوں سے معافی طلب کریں، ضرور معاف کئے جائیں گے۔گویا کہ ذات مصطفیٰ ﷺ کا وسیلہ ہر دور ہر

زمانہ میں مشکل کی کنجی ہے۔

۲:- اگر آدمؑ کی لغزش بوسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم معاف ہو سکتی ہے جبکہ آدمؑ بارگاہ رسالت میں عملی طور پر حاضر نہ ہو سکتے تھے۔ کیونکہ ابھی تک وجود مسعود مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بنا ہی نہیں۔ تو جبکہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم موجودات میں موجود ہیں تو ان کے وسیلہ سے ہماری التجائیں بھی ضرور قبول ہوں گی۔

۳:- اگر کسی غریب مسکین کو عملی طور پر جسمانی طور پر بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری نصیب نہ ہو تو بھی فقط وسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ خداوندی میں پیش کر کے التجا کی جائے تو رب کریم قبول فرمانے میں دیر نہیں فرمائیں گے۔ لہذا یہ بُعد جسمانی یا مکانی کوئی معنی نہیں رکھتا۔

۴:- بس اللہ رب العزت کو تو اپنے محبوب کے دامن کو تھام کر کی ہوئی درخواست چاہیے۔ اگر دامن محبوب سے لپٹ کر التجا کی جائیگی تو پھر رد نہیں ہوگی۔ شرف قبولیت پا کر ملتجی کا سامان اطمینان و تسکین پیدا کر دے گی۔ اس سارے کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھام کر وسیلہ محبوب دیکر اپنے رب کریم سے دعا و التجا جہاں

سے بھی جب بھی کی جائے قبول ہی قبول ہے۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقع توبہ آدمؑ بیان کر کے اپنی امت کو اپنے وسیلہ مانگنے کی ترغیب و تعلیم دی ہے۔ اللہ رب العزت اس پر عمل کی توفیق رحمت فرمائے۔

نوٹ: اس حدیث پاک کو درج ذیل محدثین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

اس حدیث پاک کے تین اصحابہ اکرام راوی ہیں۔ چند الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مگر سب اس بات پر متفق ہیں۔ کہ سیدنا آدم علیہ اسلام کی بخشش بوسیلۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی ہے۔ پہلے راویوں کے نام پھر محدثین کے اسمائے گرامی مع اُن کی کتب لکھے دیتا ہوں تا کہ کوئی شقی القلب شک نہ کرے اور یہ حوالہ جات باعث تسکین اطمینان قلب ہونگے۔ انشاء اللہ العزیز وسیلہ کی مزید تفصیلات آئندہ ابواب میں آ رہی ہیں۔ حدیث استجاب توبہ سیدنا حضرت آدم علیہ اسلام کے بڑے راوی معتبر اور ثقہ ہیں

۱۔ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروقؓ

۲۔ امیر المومنین اسد اللہ غالب علی ابن ابی طالبؓ

۳۔ اصحابی رسول حضرت میسرہؓ

اب اُن بزگان دین کے اسماء مبارکہ یہ ہیں۔ جنہوں نے اس

حدیث پاک کو اپنی معتبر کتابوں میں نقل کیا ہے۔

۱۔	امام تقی الدین سبکی	شفا السقام میں
۲۔	امام بلقینی اپنے	فتاوٰی میں
۳۔	امام احمد بن حجر بن محمد عسقلانی	المواہب الدنیہ میں
۴۔	امام زرقانی	زرقانی المواہب میں
۵۔	محدث ابن جوزی	الوفاء باحوال المصطفی ﷺ میں
۶۔	مولوی اشرف علی تھانوی	نشر الطیب میں
۷۔	مولوی ذکریا سہارنپوری دیوبندی	تبلغی نصاب میں
۸)	امام طبرانی نے	معجم صغیر میں

۹۔ علامہ جلال الدین سیوطی

تفسیر درمنثور زیر آیت فتلقی آدم میں

یہ حوالہ جات مختلف مکاتب فکر کے علماء کی کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ تاکہ ہر مکتب فکر کا فرد پڑھ کر اپنے احوال عقائد کا جائزہ لے سکے۔ اللہ رب العزت سے استدعا ہے کہ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے اور قارئین کے لئے مشعل راہ بنائے آمین۔ بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

باب پنجم: وسیلۃ النبی ﷺ قبل از ولادت

عزیزان گرامی، ہم امت مسلمہ کے لوگ بڑے خوش بخت ہیں کہ اللہ رب العزت نے ہمیں اپنے محبوب کریم کی امت کا فرد بنا کر ہم پر بڑا احسان عظیم کیا ہے۔ ذات مصطفی ﷺ وہ ذات عظیم ہیں جن کے لئے یہ ساری بزم کائنات کی رونق سجائی گئی۔ یہ ہی ذات مقدسہ وجہ تخلیق کائنات ہے۔ جب یہ ذات پاک ہی سبب تخلیق کائنات ہے تو پھر یہ بات واضح اور روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ اس کائنات دنیا پر اللہ رب العزت کی تمام تر عنایتیں اسی ذات پاک ﷺ وسیلہ جلیلہ سے ہی ہیں۔ بلکہ حدیث پاک سے واضح ہے۔ میرے آقا و مولا مصطفی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ جسے حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے روایت فرمایا ہے۔ اور اسے ایک ایسی ہستی نے نقل فرمایا ہے جو بڑے عظیم المرتبت امام احمد بن حنبلؒ کی شاگرد رشید اور امام اسماعیل بخاری اور امام مسلم بن حجاج القشیریؒ کے استاد محترم ہیں۔ اور ان کا نام حدیث کی دنیا میں بڑا نمایاں ہے، وہ ہیں حافظ الحدیث علامہ حضرت عبدالرزاق ابو بکر بن ہمام لکھتے ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ عرض کرتے ہیں۔

فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلَ شَیْءٍ

خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَآءِ

قَالَ یَا جَابِرُ قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَآءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ۔

قَالَ یَا جَابِرُ قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَآءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ۔

فَجَعَلَ ذَالِکَ النُّوْرَ یَدُوْرُ بِقُدْرَۃِ حَیْثُ شَآءَ اللّٰہِ لَمْ یَکُنْ

ذَالِکَ الْوَقْتُ لَوْحٌ وَلَاقَلَمٌ، لَاجَنَّۃَ وَلَانَارٌ، وَلَا مَلَکَ وَلَاجِنٌّ،

وَلَاسَمَاءُ وَالْاَرْضِ، وَلَا شَمْسَ وَلَا قَمَرٌ، وَلَا اِنْسَ وَلَاجِنٌّ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ مجھے خبر دیجیے کہ کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا فرمائی؟ آپؐ نے فرمایا اے جابر اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبیؐ کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ (یعنی نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نور کا فیضان ہے) پھر یہ نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے چاہا تیرتا رہا۔ جس وقت یہ نور تخلیق کیا گیا تھا اس وقت نہ لوح و قلم تھے نہ عرش و کرسی تھے نہ جنت دوزخ تھی نہ جن و انسان تھے نہ فرشتے نہ آسمان نہ زمین نہ سورج چاند ستارے تھے یعنی کچھ نہ تھا کہ نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ پھر اللہ رب العزت نے اپنی اس مقدس تخلیق کا اظہار کرنا چاہا تو پھر اس نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار حصے فرمائے۔

ایک حصے سے لوح، دوسرے سے قلم، تیسرے سے عرش اور چوتھے
حصے کے پھر چار حصے بنائے ایک سے فرشتگان حاملین عرش دوسرے سے
کرسی تیسرے سے باقی ملائکہ اور چوتھے حصے کے پھر چار حصے بنائے ایک
سے آسمان، دوسرے سے زمین، تیسرے سے جنت ودوزخ اور چوتھے حصے
کے پھر چار حصے بنائے گویا کہ کائنات ارض وسماء میں جو کچھ بھی ہے ہر چیز
فیضان نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنائے گئے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس سارے
افلاک وعالمین میں جو کچھ ہے۔ اسکی تخلیق کے لئے نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سبب
ووسیلہ بنائے گئے ہیں۔ تو یقیناً یہ بات (حدیث بالا سے ثابت وظاہر ہے)
درست اور عین حق ہے۔ کہ کائنات ارض وسماء اور جو اس کے اندر ہے۔ یہ
سب بوسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق کیا گیا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت
نے ہر ایک کو دوسرے سے مربوط رکھا ہوا ہے۔ اور روز آفرینش ہی سے
توسل کا سلسلہ جاری فرما دیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ پہلی امتیں بھی ذات مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ دیکر اپنے رب کریم سے دعائیں مانگا کرتی تھیں۔ قرآن کریم
یہودیوں کے بارے میں ان الفاظ میں نقشہ کشی فرما رہا ہے۔

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا صلی اللہ علیہ وسلم

البقرۃ آیت نمبر ۸۹۔ ترجمہ: حالانکہ اس سے پہلے آخر الزماں

ﷺ اوران پر اترنے والی کتاب کے وسیلے سے کافروں پر فتحیابی کے لئے دعا مانگا کرتے تھے۔ قرآن کریم ان اہل کتاب کا ذکر کر رہے ہے کہ جب کبھی بھی وہ کفار و مشرکین سے برسر پیکار ہوتے تو ان پر فتح و نصرت کے لئے اپنے رب سے ان الفاظ سے ملتجی ہوتے۔

اَللّٰھُمَّ اُنْصُرْنَا بِالنَّبِیِّ الْمَبْعُوْثِ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ الَّذِیْ نَجِدُ نَعْتَهٗ وَصِفَتَهٗ فِی التَّوْرَاتِ ۝

ترجمہ: اے اللہ نبی آخر الزماں کے تصدق اور وسیلے سے ہماری مدد فرما جسکی تعریف و توصیف ہم تو رات میں پاتے ہیں۔ یعنی ان لوگوں کا عقیدہ تھا جو نہ تو اس نبی آخر الزماں کے امتی تھے اور نہ ہی انہیں دیکھا تھا۔ چونکہ ان کے انبیاء علیھم السلام پر جو کتابیں صحائف نازل ہوئے۔ ان میں جہاں پر ذات مصطفیٰ ﷺ کا ذکر جہاں لکھا ہوتا وہ صفحات کھول کر سامنے رکھ کر وسیلہء نام مصطفیٰ ﷺ مانگا کرتے اور اللہ رب کریم عطا فرما دیتا۔ اور وہ امتی جو اپنے نبی کے سچے غلام بھی ہوں اور کلمہ حق بھی اسی نبی مکرم کا پڑھتے ہوں۔ اگر وہ ان کے نام کا وسیلہ دیکر کوئی چیز بھی رب کریم سے طلب کریں گے تو کیوں نہیں ملے گی۔ لازم بدرجہ اتم ضرور ضرور ملے گی۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ یہود مشرکین عرب پر فتح کے لئے

ان الفاظ میں دعا مانگا کرتے تھے۔ اے اللہ آخر زمانہ میں معبوث ہونے والے نبی محتشم جن کی صفتیں ہماری تورات میں ہیں کے ان وسیلے سے ہمیں ان مشرکین عرب پر غلبہ عطا فرما۔ امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ اور نزول قرآن کریم سے پہلے یہودی ان کے وسیلے سے فتح کی دعا مانگا کرتے اور یہ کہا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا وَانْصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْاُمِّيِّ

اے اللہ ہمیں نبی امی کے وسیلے سے فتح ونصرت عطا فرما۔ حافظ ابو نعیم حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے بھی پہلے یہودی قبائل بنی قریظہ اور بنو نضیر کافروں پر فتح کے لئے یوں دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ بِحَقِّ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ اِنْ تَنْصُرَنَا عَلَيْهِمْ ہ

یا اللہ ہم تجھ سے نبی امی کے وسیلہ جلیلہ سے دعا کرتے ہیں کہ تو ہمیں کافروں پر فتح دے پھر وہ فتح یاب ہو جایا کرتے تھے۔ (تفسیر درمنثور للسیوطی) ان کے علاوہ بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی مختلف مواقع پر مدد کی گئی اور صدقہ ووسیلہء مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مدد ہوتی رہی۔ جیسے کہ حضرت آدمؑ

سے جب لغزش ہوگئی اور نہیں جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا تو سیدنا آدمؑ نہ جانے کتنا عرصہ رو رو کر اپنے رب کے حضور التجائیں کرتے رہے اور بار بار یہ پکارتے

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ۔

مگر کوئی سنوائی نہیں ہو رہی دادرسی کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی بڑے غم میں مبتلا اور پریشان ہیں۔ اسی فکر میں نمناک آنکھوں کو ذرا بند کیے سوچ بچار میں مبتلا ہیں۔ سیدنا آدمؑ کے ان حالات کو امام حاکم ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں۔ حدیث مبارکہ،

عَنْ عُمَرَ بِنْ خَطَّابْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ: مِمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيْئَةَ قَالَ يَا رَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدًا لَمَا غَفَرْتَ لِيْ فَقَالَ اللّٰهِ تَعَالٰى يَا آدَمُ كَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ خَلَقْتُهُ؟ قَالَ يَا رَبِّيْ لِاَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِيْ بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُّوْحِكَ رَفَعْتَ وَاسِيْ قَرَائِتَ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ اِنَّكَ لَمْ تُضِفْ اِلٰى اِسْمِكَ اِلَّا اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَيْكَ فَقَالَ اللّٰهُ

تعالیٰ صدقت یا آدم ! اِنَّہُ لاحبّ الخلق الیک فقال اللہِ تعالیٰ صدقت یا آدم ! اِنَّہُ لاحبّ الخلق اِلیٰ اَدعُنی بِحقّہٖ فقد غفرت لک ولولا محمّدًا ما خلقتک ہ

المستدرک، طبرانی معجم صغیرہ ، درمنثور، تبلیغی نصاب۔ ترجمہ:

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوگئی۔ تو انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا اے پروردگار میں تجھ سے محمد ﷺ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں۔ کہ میری مغفرت فرما تو اس پر اللہ نے فرمایا کے اے آدمؑ تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا؟ حالانکہ ابھی تک میں نے انہیں تخلیق نہیں کیا۔ تو حضرت آدمؑ نے عرض کیا۔ اے میرے رب جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے تخلیق کیا اور اپنی روح میرے جسم میں پھونکی اور میں نے اپنا سر اٹھایا۔ تو دیکھا کہ عرش کے ستونوں پر لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ تو میں جان گیا کہ جو نام تیرے نام کے ساتھ متصل لکھا ہوا ہے وہ تجھے بڑا محبوب ہے۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدمؑ تو نے سچ کہا۔ مجھے اپنی ساری مخلوق سے پیارا ہے۔ اب تم نے ان کے وسیلہ سے دعا کی

ہے تو میں تمہیں معاف فرما دیتا ہوں۔ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی تخلیق نہ کرتا۔

مزید تسلی و تشفی و تسکین کے لئے حدیث توسل آدمؑ کے حوالہ جات اور وہ اصحابہ کرام جنہوں نے یہ حدیث مبارکہ روایت کی ہے۔

(۱) حضرت عمر فاروق اعظمؓ

(۲) حضرت علیؓ المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کریم

اب ان محدثین کے نام مبارک جنہوں نے اس حدیث پاک کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

(۱) امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیتے ہوئے مستدرک میں نقل کیا ہے۔

(۲) امام تقی الدین سبکی نے شفا السقام میں۔

(۳) امام بلقینی نے اپنے فتاویٰ میں۔

(۴) امام حجر محمد عسقلانی نے المواہب الدنیہ میں۔

(۵) امام زرقانی نے زرقانی علی المواہب میں۔

(۶) محدث ابن جوزی نے الوفاء باحوال المصطفی ﷺ کے پہلے باب میں نقل کیا ہے اور اپنی کتاب کے تعارف میں لکھا ہے کہ میں نے صحیح احادیث کو ضعیف احادیث کے ساتھ نہیں ملایا۔

(۷) محدث ابن جوزی نے ایک روایت حضرت میسرہؓ سے روایت کی ہے۔ جس میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب ابلیس لعین نے حضرت آدمؑ کو جنت میں بہکا دیا تو انہوں نے میرے نام کے وسیلہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ سے معافی طلب کی۔

(۸) مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے اپنی کتاب نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ میں ابن الجوزی کی کتاب سلواۃ الاحزان کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

جب سیدنا آدمؑ کا رشتہ ازدواج حضرت حواؑ سے ہوا اور انہوں نے قربت چاہی تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اے آدم پہلے مہر ادا کرو۔ عرض کی یا اللہ مہر کیا ہے؟ تو فرمایا اے آدمؑ میرے محبوب پر بیس مرتبہ درود پڑھو۔ یہ تمہارا مہر ادا ہو جائے گا۔ گویا کہ اس روایت سے بھی یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ افزائش نسل انسانی بھی درود مصطفیٰ ﷺ کا ہی وسیلہ ٹھہری۔ یعنی ہم آپ آج اللہ کے حبیب ﷺ کے صدقہ سے ان کے درود کے وسیلہ سے ہی دنیا میں ہیں۔

(۹) امام صاوی نے اپنی تفسیر حاشیہ جلالین میں لکھا ہے۔

وَاِنَّمَا هُوَ لِيُظْهِرَ قَدْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰہِ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

لِآدَمَ مِنْ اَوَّلِ قَدَمٍ اِذَا لَوْلَاهُ مَا تَمَتَّعَ بِزَوْجَةٍ مَّهُوَ

اَلْوَاسِطَهُ لِكُلِّ وَاسِطَةٍ حَتَّی آدَمَ۔

ترجمہ: اور یہ حلم الٰہی اس لئے تھے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت پہلے قدم پر حضرت آدمؑ پر نہ آشکار ہو جائے اور یہ جان لیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو انہیں نعمت زوجیت بھی نہ ملتی کیونکہ ہر واسطہ کے لئے وہی حقیقی واسطہ و وسیلہ ہیں۔ حتی کہ آدمؑ کا بھی۔ سیدنا آدمؑ کا یہ عمل توسل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کرنا پوری انسانیت اور ذریت آدم کے لئے کھلا پیغام ہے۔ جب خالق و مالک اللہ ذوالجلال ناراض ہو جائے۔ تو اپنے گناہوں پر صدق دل سے ندامت کرتے ہوئے وسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم معافی طلب کرو گے تو وہ ذات بڑی کریم ہے۔ اپنے محبوب کا نام گنہگار کی زبان پر آتے ہی اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دھارے اسکی طرف کھول دیتی ہے۔ اور نوید مغفرت اسے سنادی جاتی ہے۔

نبی مکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقع بیان فرما کر ہم گنہگاروں کا بہت بڑا مسئلہ حل فرما دیا ہے۔ کہ اگر آدم علیہ اسلام کی لغزش بوسیلہ مصطفیٰ علیہ اسلام معاف ہوسکتی ہے۔ تو وہ رب کریم ہماری خطائیں بھی بوسیلہ محبوب ضرور معاف فرمادے گا۔ اسی طرح دوسرے انبیاء نے بھی وسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کے حضور پیش کیا اور ان پر اللہ رب العزت کی کرم نوازیاں مزید دو چند ہو گئیں۔ جیسا کہ۔

۱۔ حضرت نوح بن سام علیہ اسلام کا پانی کے طوفان سے نجات پانا بوسیلہ نور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔

۲۔ سیدنا ابراہیم علیہ اسلام کا نار نمرود سے بچنا بھی بوسیلہ نور مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھا۔

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے چند اشعار میں ساری بات کو واضح کر دیا ہے۔

وَصلی اللہ علیٰ نور کزوشد نور ہا پیدا
زمین از حب او ساکن فلک در عشق او شیدا
اگر نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم را نیا ورد شفیع آدم
نہ آدم یافتے نہ نوح غرق نجینا
نہ ایوب از بلا راحت نہ یوسف حشمت و وجاہت
نہ عیسیٰ آن مسیحادم نہ موسیٰ آں ید بیضا

قبل از ولادت توسل بالمصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند مثالیں دی ہیں۔ اسکے سینکڑوں اور بھی ہیں۔ مگر انہی پر اکتفا کرتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں ملتجی ہیں کہ ہمارے وہ بھائی جو ہدایت کی راہ گم کر چکے ہیں کہ اللہ انہیں راہ ہدایت نصیب فرمائے۔

وسیلۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

باب ششم: وسیلۃ النبی ﷺ بعداز ولادت شریفہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ :

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ۝

(الانفال آیت نمبر ۳۳)

عزیزان گرامی قدر آپ پہلے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ پہلی امتیں محبوب رب کائنات کی ولادت باسعادت سے پہلے نام محمد ﷺ کا وسیلہ پیش کر کے اپنے دشمنوں پر فتح ونصرت حاصل کرتے تھے۔ اوراپنی التجائیں اپنے رب کریم سے منوالیا کرتے اور فیض یاب ہوتے۔ یہ تو وہ لوگ تھے جو دوسرے انبیاء کی امتوں میں سے تھے۔ کہ وسیلہ مصطفی ﷺ مانگتے اور وہ عطا فرمادیتا۔ اب چونکہ رب کریم کے اپنے محبوب ﷺ کی اپنی امت کی بات ہے اگر محبوب رب کائنات کا کوئی امتی اپنے اخلاص سے اپنے خالق ومالک کی کریم بارگاہ میں وسیلہ محبوب مصطفی ﷺ کیا جائے گا تو وہ کیوں نہ قبول ہوگا۔ وہ تو بدرجہ اتم قبول ہوگا۔ کہ رب کریم کے محبوب کی امت ہے۔ جو اس کے سامنے اسکے محبوب کا وسیلہ دیکر التجائیں کر رہا ہے۔ جسے ضرور شرف قبولیت بخشا جائیگا۔

اوپر درج آیۃ کریمہ وسیلہ مصطفیٰ ﷺ کی ایک واضح دلیل ہے۔اور حیات النبی ﷺ کا مسئلہ بھی اسی آیت سے حل ہو جاتا ہے۔کفار و مشرکین سالہا سال سے اسلام کو مٹانے اور پیغمبر اسلام کی اذیت پہنچانے میں اپنی ساری طاقت صرف کر رہے تھے۔پھر اب تو انہوں نے یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ اگر یہ دین اسلام حق ہے اور اسکی دعوت دینے والا نبی برحق ہے تو پھر ہمارے انکار کی وجہ سے ہم پر پتھر کیوں نہیں برستے۔

جس طرح پہلی قوموں پر عذاب آئے ہم پر اس کا رب عذاب نازل کیوں نہیں کرتا۔ہمیں بھی ان کی طرح کیوں نیست و نابود نہیں کر رہا۔ گویا کہ یہ ان کفار و مشرکین کی طرف سے ایک قسم کا چیلنج بھی تھا۔ان سب بیبا کیوں اور یاوہ گوئیوں پر تو فوراً عذاب نازل ہو جانا چاہئے تھا۔مگر رب ذوالجلال ان کی یہ جرات کو برداشت کر رہا ہے۔آخر کیوں؟اس آیۃ کریمہ میں اسی سوال کا جواب دیا جا رہا ہے۔اللہ رب ذوالجلال فرما رہا ہے۔اے میرے محبوب یہ کفار و مشرکین اپنے پیہم انکار اور دانستہ کفر پر اصرار کی وجہ سے مستحق عذاب ہیں اور میں انہیں عذاب میں مبتلا بھی کر سکتا ہوں۔قادر مطلق ہوں۔مگر محبوب میں صرف تیرے وجود مسعود کو دیکھ رہا ہوں۔کہ تو ان میں رہ رہا ہے۔ان میں تیرا مسکن ہے۔صرف تیرے وجود مسعود کی وخاطر کی سب

باتوں پر درگزر کیا جا رہا ہے۔ میں نے محبوب تجھے رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے اور یہ تیری شان رحمت کے خلاف ہے۔ تیرے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل کروں۔ یہ تو فقط تیرے سبب وسیلہ سے بچتے چلے جا رہے ہیں۔ اور یہ اصول صرف اسوقت کے لئے ہی نہ تھا بلکہ یہ اصول دائمی ہے۔ آج بھی اگر امت عذاب سے بچی چلی آ رہی ہے تو سب صدقہ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ ورنہ وہ کون سا گناہ ہے جو امت نہیں کر رہی۔ اگر آج مسلمانوں کے اعمال پر نگاہ ڈالی جائے تو رب کریم کے احکامات کی نافرمانی ان میں ہے۔ ہر قسم کے گناہ ہم مسلمان کرتے ہیں مگر پھر بھی اجتماعی عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔ یہ صرف اسلئے ہے کہ محبوب رب کریم ان میں موجود ہیں۔ صرف صدقہ رحمۃ اللعالمین بوسیلہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت ان کے تمام قبیح اعمال پر صرف نظر فرما رہا ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہریہ کے چند ایک واقعات قارئین کی پیش خدمت ہیں تاکہ انہیں پڑھ کر تسکین قلب بھی نصیب ہو اور قوت ایمانی میں بھی اضافہ ہو۔ میرے اور آپ کے آقا محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بچپن ہی میں تھے۔ اور حضرت عبدالمطلب اپنے جد امجد کی کفالت میں تھے۔ اہل مکہ اپنے سردار حضرت عبدالمطلب کے پاس

آئے اور اپنے ملک میں قحط سالی کی شکایت کی عرض کیا اے ہمارے سردار آپ کعبہ کے متولی ہیں عرصہ دراز سے بارش نہیں ہو رہی۔ آپ بارش کے لئے رب کعبہ سے درخواست کریں تا کہ بارش ہو جائے۔ مکہ کی تمام وادیاں خشک ہو گئی ہیں۔ جانور مویشی بھوک سے نڈھال ہو کر پنجر بن گئے ہیں۔ سخت پریشانی ہے۔ تو جناب عبد المطلب نے اپنے پیارے پوتے والی کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لیا۔ حضرت ابوطالب نے انہیں اپنے بازوؤں پر تھاما ہوا تھا۔ اور حضرت عبد المطلب نے بارگاہ رب کعبہ میں عرض کیا یا اللہ اے پروردگار عالم۔ اس حسین وجمیل

چہرہ کے تصدق اور وسیلہ سے تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ ہمیں بارش عطا فرما۔ بس وسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرنے کی دیر تھی۔ کہ جو آسمان اب تک آگ برسا رہا تھا۔ فوراً ابر آلود ہوا اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ مکہ کی وادیوں میں پانی بہنے لگا شہر و دیہات شاداب وخوشحال ہو گئے۔ اور اس واقعہ کو حضرت ابوطالبؑ نے کچھ اس طرح بیان فرمایا۔

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم حد درجہ حسین تھے۔ آپ کے وسیلہ سے ابر باران

کا سوال کیا جاتا ہے۔ آپ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔

یَلُوْذُ بِہٖ الْھُلَّاکُ مِنْ اٰلِ ھَاشِمٍ
فَھُمْ عِنْدَہٗ فِیْ نِعْمَۃٍ وَفَوَاضِلِ

ترجمہ: آل ہاشم کے غرباء آپ کی بارگاہ میں پناہ لیتے ہیں اور یہاں آ کر وہ نعمتوں اور فضیلتوں سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ (خصائص الکبریٰ)

یہ ایک ایسا واقعہ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ ابھی اسلام طلوع نہیں ہوا تھا کہ اس وقت کے بنو ہاشم اور دوسرے قبائل وسیلہ کی حقیقت سے باخبر تھے۔ کہ دوسرے لوگ بنی ہاشم کے سردار کے پاس اس نیت سے آتے ہیں یہ ارادہ لیکر آتے ہیں کہ اس در پر درخواست پیش کرنے سے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت عبد المطلب اور حضرت ابو طالب کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ یہ مبارک حسین وجمیل بچے کا وسیلہ ہماری ہر مشکل کا حل ہے۔ ایسی اور بہت سی روایات موجود ہیں۔ جن سے وسیلہ ظاہر ہوتا ہے۔ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گود لیا۔ اور لیکر اپنی اونٹنی پر سوار ہو جاتی ہیں۔ یہ وہ اونٹنی تھی جو جسمانی لحاظ سے نہایت لاغر اور کمزور تھی۔ اس کے لئے قافلے والی باقی اونٹنیوں کے برابر چلنا دشوار تھا۔ پیچھے رہ گئی تھی۔ اب جب تاجدار کائنات کو گود لیکر اس لاغر اور

کمزور اونٹنی صحت منداور جوان اونٹنی کیطرح اسمیں جان آ گئی۔ اور سرور کونین کو لیکر اونٹنی بڑی شائستگی اور سبک رفتاری تیز تیز نہایت خوش وخرم مسرتوں بھرے قدموں سے ہوا سے باتیں کرتی چلی جارہی ہے۔ خود حضرت حلیمہؓ حیران ہیں۔ اور دوسری عورتیں بھی پوچھنے لگتی ہیں۔ حلیمہ کیا تو نے سواری بدل لی ہے۔ یہ یکدم تیز رفتار ہے۔ حضرت حلیمہؓ کا جواب یہ ہوتا ہے کہ نہیں سواری تو وہی ہے۔ مگراس پر سوار جو ہے وہ بڑے کرم اور فضل کا حامل ہے بڑا ہی مبارک بچہ ہے۔ جسکی وجہ سے اونٹنی میں طاقت وفرحت وتازگی آ گئی ہے۔ حلیمہ کے اپنے پستانوں کا دودھ بھی خشک ہو چکا تھا۔ گھر میں جو جانور دودھ دینے والے تھے وہ بھی بڑے لاغر تھے جسکی وجہ اکثر اوقات فاقے ہوتے تھے۔ مگر ذات مصطفیٰ ﷺ کا وجود مسعود مبارک گھر میں داخل ہوتے ہی اللہ نے اپنی رحمتوں برکتوں اور عنایتوں کے دھارے کھول دئے، یہ کرم نوازیاں صرف اور صرف اپنے محبوب کے وسیلہ سے کی گئیں۔ گویا کہ حلیمہ کی خوشحالی کا وسیلہ حضور ﷺ خود بن گئے۔ حضرت عثمان بن حنیفؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ نابینا شخص آیا، اس نے اپنی بینائی ختم ہونے کی شکایت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری راہنمائی کرنے والا اور کوئی نہیں اور میں سخت مشکل سے دوچار ہوں۔ اسکی

بات سننے کے بعد حضور نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اِئْتِ الْمِيضَاةَ فَتَوَضَّأ. ثُمَّ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُلْ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ. يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي فَجَلِّي لِي بَصَرِي. اَللّٰهُمَّ! شَفِّعْهُ فِيَّ وَشَفِّعْنِي فِي نَفْسِي. قَالَ عُثْمَانُ فَوَاللّٰهِ! مَا تَفَرَّقْنَا وَلَا طَالَ بِنَا الْحَدِيْثُ حَتّٰى دَخَلَ الرَّجُلُ وَكَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهٖ ضَرٌّ قَطُّ

(ابن ماجه، ترمذی، حاکم، البیہقی)

ترجمہ: وضو کے لئے لوٹا لاؤ پھر وضو کرو اور دو رکعتیں نماز پڑھو۔ پھر کہو اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی رحمت کے وسیلہ جلیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد ﷺ میں آپ کے توسل سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ کہ وہ میری آنکھیں روشن کردے۔ اے اللہ اپنے نبی کی شفاعت میرے لئے قبول فرما۔ حضرت عثمان بن حنیف فرماتے ہیں۔ اللہ کی قسم ہم ابھی مجلس سے اٹھے ہی نہ تھے کہ وہ شخص سلامت آنکھوں کے ساتھ داخل ہوا کہ کبھی اندھا ہوا ہی نہیں۔

اس حدیث پاک کو درج ذیل محدثین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ ان کی باضابطہ فہرست لکھے دیتا ہوں تاکہ حدیث کی سند ثقاہت واضح ہو جائے۔

(۱) امام نسائی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں۔

(۲) امام بخاری نے اپنی کتاب التاریخ الکبیر میں۔

(۳) امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب مسند میں

(۴) امام بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں۔

(۵) امام ابن کثیر نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں۔

(۶) امام جلال الدین سیوطی نے الخصائص الکبریٰ میں۔

(۷) امام قسطلانی نے المواہب الدنیہ میں۔

یہ الفاظ وکلمات ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک اصحابی کو تلقین فرمائے ہیں۔ جس سے اس نے کما حقہ فائدہ حاصل کر بھی لیا۔ حدیث پاک سے اصحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ ظاہر ہوتا ہے کہ میں در مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر آوں گا تو میری مشکل حل ہو جائے گی۔ حضور چاہتے تو اپنا لعاب دہن لگا دیتے اور وہ شفاء یاب ہو جاتا۔ جسطرح کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ غزوہ خیبر کے موقع پر شفاء یاب ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت قتادہؓ کی آنکھ کا ڈیلا باہر لٹک گیا وہ ہتھیلی پر رکھ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور آقا نے اپنا

لعاب دہن لگا دیا۔ وہ اسطرح شفایاب ہوئے کہ کبھی آنکھ پھوٹی ہی نہ تھی۔
آقا چاہتے تو لعاب دہن لگا دیتے اور چاہتے تو ہاتھ اٹھا کر رب کے حضور دعا کر دیتے۔ ان دونوں طریقوں سے بھی یقیناً وہ نابینا اصحابی شفایاب ہو جاتے مگر کریم آقا نے اسے ایک دعا تعلیم فرما کر امت پر بڑا احسان کر دیا اور عقیدہ توسل واضح فرما دیا۔ پھر دور و نزدیک کہیں سے بھی ذات مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو بحرف ندا پکارا جانا جائز قرار دے دیا۔ یعنی یہ وہ مسئلے ہیں۔ جو امت میں وجہ نزاع بنے ہوئے ہیں۔ مگر آقا کو آج کے ملاؤں کی خبر تھی تو آقا نے یہ دعا تعلیم فرمائی جس میں ان الفاظ میں بارگاہ رب العزت میں وسیلہ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پیش کیا گیا ہے۔

(اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ إِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ۔

اور اسی حدیث کے اگلے حصے میں آقا نے خود اپنی ذات کو پکارنے کی ان الفاظ میں تعلیم دی ہے۔

أَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ یَا مُحَمَّدُ! اِنِّیْ

تا کہ بعد میں آنے والے شکوک و شبہات میں نہ پڑیں۔ اور بلا جھجک جب ضرورت محسوس کریں۔ مجھے پکار سکیں جن کتابوں کے ہم نے حوالہ جات لکھے ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سارے محدثین نے اس حدیث

پاک کو صحیح اور درست کہا ہے۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے۔

یہ دعا مانگنے کا طریقہ خود ذات مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سکھلا رہے ہیں۔ التجا رب العالمین سے ہے۔ وسیلہ رحمۃ اللعالمین کا پیش کیا جا رہا ہے۔ پھر لوگ انکار کریں، شرک و بدعت کی رٹ لگائیں تو بہت بڑی ہٹ دھرمی ہے، جس سے تعلیمات مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے۔ اور من مانی کا اظہار کرتے ہوئے نہایت غیر مؤدب اور غیر مہذب کلام کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت ایسے نادانوں کو وسیلہ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھ عطا فرمائے۔

اللہ رب العزت قادر مطلق ہے۔ مالک و مختار ہے۔ لیکن وہ اپنے محبوب کا ہمیشہ سر بلند دیکھنا چاہتا ہے۔ اسی لئے اس کی یہ رضا اور منشاء رہتی ہے۔ کہ میری ساری مخلوق میرے محبوب کے در پر جھکی رہے۔ اللہ رب العزت کو مخلوق کا در محبوب پر جھکنا بہت بھلا لگتا ہے۔ اسی لئے تو غزوہ احد میں جب درّے پر متعین اصحابہ نے درہ چھوڑ دیا مال وغنیمت اکٹھا کرنے میں لگ گئے اور پھر درہ سے کفار نے حملہ کر دیا۔ اور لشکر اسلام کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ لشکر اسلام میں بھگدڑ مچ گئی اور پھر آقا نے منتشر اصحابہ کو پھر اکٹھا فرمایا۔ پھر اصحابہ کرام جم کر لڑے۔ جنگ کے بعد جب مدینہ واپس آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک اور معرکہ کے لئے طلب فرمایا۔ تو اصحابہ کرام

نے زخموں سے چور تھکن سے نڈھال بلاچون وچرا پھر ندائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر

لبیک کہتے ہوئے جمع ہو گئے۔ رحمت حق یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ کہ میرے

محبوب کے دیوانے اور اس شمع رسالت کے پروانے باوجود جسم وجاں میں

سکت نہ ہونے کے۔ تازہ زخموں کے ساتھ

پھر جمع ہو گئے ہیں۔ تو اللہ رب العزت نے جبرائیل امین کو بلایا اور

کہا اے جبرائیل میرے محبوب نے صرف میری خاطر انہیں پھر جمع کر لیا

ہے۔ جاؤ محبوب کو جا کر میرا پیغام سناؤ۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ

آل عمران۔ محبوب ان سے درگزر فرمایا کریں۔ اور ان کے لئے

بخشش مانگا کریں۔

معاف تو اللہ کریم نے فرمانا ہے۔ خود بلا واسطہ ارشاد جاری فرما دیتا

ہے کہ اے میرے محبوب میں نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ یعنی جو ان سے

احد میں غلطیاں ہوئی ہیں۔ ہم نے معاف کر دی ہیں۔ نہیں ہرگز ایسا اعلان

نہیں فرمایا جا رہا۔ بلکہ اپنے محبوب سے کہا جا رہا ہے کہ اے محبوب ہم انہیں

معاف کرنے کا فیصلہ تو کر چکے ہیں۔ مگر ہماری منشاء رضا یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی

ان خطاؤں کی معافی پائیں تو تیرے در پر آئیں۔ یہ خیرات انہیں تیرے در

سے ملے۔ یعنی انہیں انعامات ملیں میری رضا ملے۔ بخشش ملے تو محبوب یہ سب آپ کے وسیلہ جلیلہ سے ہو۔ اس لئے خود معافی کا اعلان نہیں فرمایا۔

ایسی اور بہت سینکڑوں آیات قرآن کریم میں موجود ہیں۔ کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں پر کرم کے دروازے صدقہ مصطفیٰ ﷺ ہی کھولتا ہے۔ اصحابہ کرامؓ اجمعین میں سے کوئی قحط سالی و خشک سالی کی شکایت لیکر آتا۔ کوئی اپنے گھریلو پریشانیاں لیکر آتا۔ کوئی اپنے بھوک و افلاس کی بات کرتا گویا کہ اصحابہ کرام سب جانتے تھے۔ یہ ہی وہ در ہے جس در پر ہمارے دکھوں کا مداوا ہوگا۔ ہماری حاجت پوری ہوگی۔ اور جب بھی کوئی پریشان حال دکھوں کا مارا بارگاہ مصطفیٰ ﷺ آجاتا تو کبھی بھی آقا نے یہ نہ فرمایا کہ اتنا سفر طے کر کے میرے پاس کیوں آئے۔ ادھر ہی کہیں کسی مسجد کسی پہاڑ کی غار میں تنہائی میں بیٹھ کر اپنے رب سے اپنا مدعا بیان کر لیتے۔ وہ ذات تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ آقا نے ایسے الفاظ کہہ کر سائلین کو ٹال نہیں دیا بلکہ ان کے دکھوں کا حسب حال سن کر انکا مداوا کیا ہے۔ ہر آنے والے کو اسکے حسب حال ملا ہے۔ اور قرآن کریم کی یہ آیۃ کریمہ اس پر شاھد ناطق ہے۔ کہ رب ذوالجلال نے یہ اعلان عام فرما دیا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُ اللّٰهَ تَوَّابًا الرَّحِيْمًاo

(النساء)۔

اس کی شرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مختصر یہی ہے۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اس سے کوئی مفر مقر

جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں سو وہاں نہیں۔

حضور نبی مکرم ﷺ سرور کائنات وجہ تخلیق کائنات سرکار مدینہ سرور قلب وسینہ جان کائنات روح کائنات راحت کائنات رحمت کائنات ﷺ کی حیات ظاہریہ کے سینکڑوں واقعات سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔ اس کتاب میں سب کا احاطہ ناممکن ہے۔

لہذا ایک ایسا واقع قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے۔ جس سے ایمان تازہ ہو جائیگا۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسدؓ کا وصال ہو گیا۔ حبیب کبریاؑ تشریف لائے اور لحد خود تیار کروائی۔ جب لحد تیار ہو گئی تو اسمیں خود لیٹ گئے اور پھر اٹھکر ان الفاظ میں دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمِّی فَاطِمَۃَ بِنْتِ اَسَدٍ وَ وَسِّعْ عَلَیْھَا مَدْخَلَھَا بِحَقِّ نَبِیِّكَ وَالْاَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ فَاِنَّكَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ؀

(طبرانی، معجم کبیر والاوسط، وفاالوفا، حیر ثانی)

ترجمہ: یا اللہ میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے۔ اس پر اسکی قبر وسیع فرمادے۔ اپنے نبی ﷺ کے وسیلے سے اور جو انبیاء مجھ سے پہلے ہوئے ہیں۔ ان کے وسیلہ بے شک تو رحم کرم کرنے والا ہے۔

قارئین اب اس حدیث پاک کے الفاظ پر غور کریں۔ اسمیں والی دو جہاں شاہ کون و مکاں ﷺ نے اپنا وسیلہ پیش کر کے واضح فرمادیا۔ لوگو میں خود بھی بارگاہ رب العزت میں اپنی ذات کا وسیلہ پیش کر کے دعا کر رہا ہوں۔ پھر تمہیں کس بات نے روکا ہے۔ اپنی حاجات اپنی پریشانیاں اپنے رب کے حضور پیش کرتے وقت میرا وسیلہ پیش کر کے سند قبولیت حاصل کرلو۔

دوستو، میرا یہ ایمان ہے۔ جب کوئی شخص بھی نہایت اخلاص سے بارگاہ رب کریم میں بوسیلہ مصطفی ﷺ دعا کرے، التجا پیش کرے تو ضرور بضرور اس دعا کو شرف قبولیت حاصل ہوگی۔ انشاء اللہ۔ آمین ثم آمین

باب ہفتم: وسیلۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بعد از وصال شریف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا ۝ (بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۰)

ترجمہ: ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں۔ ان کی بھی جو طالبان دنیا ہیں۔ اور ان کی بھی جو طالبان آخرت ہیں۔ اے محبوب کریم یہ سب آپ کے رب کی عطا سے ہے۔ اور آپ کے رب کی عطا کسی کے لئے ممنوع یا بند نہیں۔

یہ چیز بڑی واضح ہے۔ کہ سب عنایتیں، نوازشیں، رحمتیں اور برکتیں رب ہی کی طرف سے نازل ہوتی ہیں۔ رزق، اولاد، خیر و برکت سب اللہ تبارک تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے۔ رب کائنات کی ان عطاؤں سے مسلم غیر مسلم، مومن، منافق سبھی مستفید ہوتے ہیں۔ مگر درج بالا آیت قرآن کریم میں فرمایا اور سمجھایا جا رہا ہے، اے میرے محبوب یہ سب کچھ انکو جو دیا جا رہا ہے یہ سب تیرے رب کی عطا ہے۔ انسانی عقل سوچنے پر مجبور ہے کہ یا اللہ تو تو سب جہانوں کا رب ہے۔ یہ ساری تیری مخلوق ہے۔ تو نے

یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ''من عطاء ربھم'' یہ ان کے رب کی طرف سے نازل ہوتی ہیں۔ یہ ایک بڑا عمیق سا نقطہ ہے۔ رب تو سب کا ایک ہے مگر اس نے رب ہو کر اپنی نسبت اپنے محبوب سے ظاہر کی ہے۔

دوستو، معاملہ صرف خالق و مخلوق کا ہی نہیں اس آیہ کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنا تعلق جو اپنی ہی تخلیق کردہ مخلوق سے ظاہر کر رہا ہے۔ اس میں محبوب کا ذکر کر کے کمال محبت کا اظہار کر دیا ہے اور بتا دیا ہے، یہ ساری کائنات اس زمین پر میری اس مخلوق کی چہل پہل یہ سب محبوب کے تصدق سے ہے یعنی یہ سب تو محبوب کی عظمت کے لئے ہے۔ اور منشاء الٰہی یہ ہی ہے کہ ہر کوئی جو کچھ بھی یعنی رب سے طلب کرے وہ وسیلہ ء مصطفیٰ ﷺ حاصل کرے۔ عطائیں رب کائنات کی ہیں اور تقسیم رحمت کائنات ﷺ کی ہوں۔ اسی لئے تو آقا کریم نے ارشاد فرمایا

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمُ وَخَازِنٌ وَاللّٰہُ مُعْطِیْ

(صحیح بخاری شریف)

ترجمہ: بے شک خزانوں کا مالک ہوں اور تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ ہی عطا کرنے والا ہے۔ رب ذوالجلال یہ چاہتے ہیں میری مخلوق کا ہر چھوٹا بڑا امیرے محبوب کے در مبارک کو پہچانے اور اسی در کی قدر و منزلت ان

کے دل و دماغ میں گھر کر جائے۔ اس ساری بات کو ایک بات سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ واضح ہو جائے۔

تمثیل:۔ کسی نوجوان کا والد بیرون ملک کاروبار کرتا ہے اور وہ وہاں سے اپنے بیٹے کے لئے کچھ تحائف بھیجتا ہے اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں فلاں نوجوان میرے بیٹے کے دوست اور تعلق دار ہیں تو پھر وہ باپ اپنے بیٹے کے ساتھ بیٹے کے دوستوں کے لئے تحائف بھیجتا رہتا ہے۔

یہ ایک سلسلہ چل نکلتا ہے پھر ایک بار اپنے بیٹے کے دوستوں کو جمع کرتا ہے، اور انہیں کہتا ہے یہ جو آپ لوگوں کو تحائف مل رہے ہیں یہ کوئی تمہارا استحقاق نہیں ہے بلکہ اسلئے مل رہے ہیں کہ تمہارا تعلق میرے بیٹے سے ہے۔ اسی وجہ سے یہ سب کچھ حاصل ہو رہا ہے۔ اور اگر تم چاہتے ہو کہ یہ سلسلہ جاری رہے اور تمہیں تحائف ملتے رہیں تو میرے بیٹے سے تعلق کو مضبوط بنائے رکھو تو جو عنائتیں اس پر ہونگی وہ تم پر بھی ہوتی رہیں گی۔ بس تعلق نہ ٹوٹنے پائے۔ امید ہے کہ اس تمثیل سے بات واضح ہو گئی ہو گی۔ اس آیہ کریمہ میں یہ ہی بات واضح کی گئی ہے اس کائنات میں جسے جو کچھ بھی مل رہا ہے۔ دے تو میں ہی رہا ہوں مگر دیتا ہوں صدقہ محمد ﷺ کا۔ اور پھر اپنے

محبوب کا صدقہ عطاؤں کا سلسلہ ہم کسی سے بھی نہیں روکتے۔ خواہ کوئی پہلے آنے والا ہو یا بعد میں گویا کہ محبوب تیرے امتی خواہ قیام قیامت بھی آنے والے ہوں تیرا دامن رحمت پکڑ کر تیرے توسل سے التجا کریں گے تو ہم اپنی رحمتوں کے دھارے کھول دیں گے اور ان پر بوسیلہ محبوب رحمتوں کی بارشیں ہو رہی ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ ہوتی رہیں گی۔ یہ تو ایک قرآنی استدلال تھا۔

ا:- ہمارا عنوان ہے وسیلۃ النبی ﷺ بعد از وصال شریف، تو اس ضمن میں ایک حدیث پاک ہم پچھلے باب میں نقل کر آئے ہیں۔ اب اسی حدیث مبارکہ پر پھر غور کرتے ہیں۔ حدیث پاک کے الفاظ ہیں۔ (اللھم اغفر لامی فاطمہ بنت اسد ووسع علیھا مدخلھا بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی فانک ارحم الرحمین) اس حدیث پاک میں جو خط کشیدہ الفاظ قابل غور ہیں آقائے دوجہاں حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ الفاظ کہہ کر واضح کر دیا تاکہ کسی انکار کرنے والے کو شک و شبہ سے پاک کیا جاسکے۔ الفاظ قابل غور ہیں ''والانبیاء الذین من قبلی'' کہ یا اللہ میری فاطمہ بنت اسد کی قبر کو کشادہ فرما دے بوسیلہ اپنے نبی کے اور جو انبیاء مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ گویا کہ اس حدیث پاک میں فرمایا جو پہلے انبیاء وصال پا

چکے ہیں ان کا وسیلہ صرف اسلئے پیش کیا ہے تا کہ امت کو یہ تعلیم مل جائے اور میری امت کے گنہگار میرے وصال کے بعد میرا وسیلہ اپنے رب کے حضور پیش کر کے اپنی پریشانیوں اور حاجتوں کا مداوا کر سکیں۔ ورنہ ذات مصطفی ﷺ کو پہلے انبیاء کے توسل کی کیا ضرورت تھی کیونکہ ان کو نبوتیں، کتابیں اور حکمتیں سب تو بوسیلہ مصطفی ﷺ ملی ہیں۔ ان کا وسیلہ صرف اسلئے دیا گیا ہے تا کہ امت مسلمہ جان جائے کہ فوت شدگان کا وسیلہ بعد از وصال شریف جائز اور درست ہے اور قابل قبول ہے۔

۲:- علامہ زرقانی اپنی کتاب زرقانی علی المواہب میں نقل کرتے ہیں کہ جب تاجدار کائنات ﷺ کا وصال شریف ہو گیا تو تمام اصحابہ اکرام کا عجیب حال ہو رہا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ حاضر ہوئے اور چہرہ مبارک سے کپڑا ہٹا کر کہنے لگے۔

وَلَوْاَنَّ مَوْتَكَ اِخْتِيَارًا لَجُدْنَا لِمَوْتِكَ بِالنُّفُوْسِ۔
اُذْكُرْنَا يَا مُحَمَّدًا عِنْدَ رَبِّكَ وَلْنَكُنْ مِنْ بَالِكَ

ترجمہ: اگر آپ کی موت کا ہمیں اختیار ہوتا تو ہم آپ کی موت کے لئے اپنی جان قربان کر دیتے۔ یا محمد ﷺ ہمیں اپنے رب کے پاس یاد رکھنا اور ضرور ہمارا خیال رکھنا۔ اس حدیث پاک میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ جن کا ہر ہر عمل اہل ایمان کے لئے سند اور دلیل کا درجہ رکھتا ہے۔ بارگاہ مصطفیٰ ﷺ بحرف ندا دست بستہ التجا کر رہے ہیں اور ساتھ ہی حضور اکرم ﷺ سے اذکرنا کہہ کر توسل بھی کر رہے ہیں۔

۳:- امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عبداللہ بن قرطؓ کے ہاتھوں ایک خط حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے نام یرموک بھجوایا۔ حضرت عبداللہ بن قرط مسجد نبوی شریف سے نکلنے لگے تو خیال آیا کہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں سلام عرض کر لوں۔ روضہ اقدس پر حاضر ہوئے تو وہاں پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عباسؓ موجود تھے۔ مزید برآں حضرت امام حسن المجتبیٰؓ حضرت علیؓ کی گود میں تھے اور حضرت امام حسین حضرت عباسؓ کی گود میں تھے۔ حضرت عبداللہ بن قرطؓ نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے عرض کیا کہ حضور کامیابی اور سلامتی کی دعا فرمائیں۔ ان حضرات نے ہاتھ اٹھا کر ان الفاظ میں دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نُتَوَسَّلُ بِھٰذَا النَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی وَالرَّسُوْلُ الْمُجْتَبٰی اَلَّذِیْ تُوَسِّلُ بِہٖ آدَمَ فَاَجِیْبَتْ دَعْوَتُہٗ وَغَفَرْتَ خَطِیْئَتَہٗ سَھِّلْ عَلٰی عَبْدُ اللّٰہِ طَرِیْقَہٗ وَاَطْوَالُہُ الْبَعِیْدُ وَاَیِّدْ اَصْحَابِ نَبِیِّکَ بِالنَّصْرِ اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءَ

ترجمہ: یا اللہ ہم اس نبی المصطفی ﷺ اور رسول المجتبیٰ ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں کہ جن کے وسیلہ سے حضرت آدم کی خطا معاف کر دی گئی۔ تو عبداللہ بن قرط پر اسکا راستہ آسان کر دے اور دوریوں کو نزدیک کردے اور اپنے نبی کے اصحاب کو فتح دے بیشک تو دعاؤں کا سننے والا ہے۔

یہ دعا کرنے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرمایا۔ کہ اب جائیے کہ اللہ تعالیٰ ان اصحاب اور ازواج رسول کی دعا کو رد نہ کرے گا کیونکہ انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں اس نبی کا وسیلہ پیش کیا ہے جو اکرم الخلق ہیں (بحوالہ فتوح الشام جلد اول)۔ بیان کردہ حدیث پاک سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اصحاب الرسول ازواج مطہرات امہات المؤمنین اور نفوس اہلبیت اطہار ان سب بزرگوں کا یہ عمل وعقیدہ تھا کہ وہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں نبی برحق ﷺ کی ذات مقدسہ کا وسیلہ کرتے اور خاطر خواہ فوائد وبرکات

حاصل کرتے۔ یہ وہ مقدس اور عظیم ہستیاں ہیں جنہوں نے تربیت وراہنمائی اللہ کے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل کی اور یہ حضرات پھر زمانے کے رہبر وراہنما بن گئے۔ ان کے عمل کی تقلید عین سنت اور بڑے ثواب کی حامل ہے۔ باوجود اس کے انہیں ذات مصطفی ﷺ کا قرب بھی حاصل تھا۔ دن رات اللہ رب العزت کی بارگاہ اقدس میں سربسجود بھی رہا کرتے تھے مگر کبھی بھی اپنے اعمال اور عبادت پر نہیں اترائے نہ کبھی اپنی نیکیوں پر بھروسہ کیا بلکہ انہیں تو اگر بھروسہ اور قبولیت اعمال کا اعتماد ہے۔ تو وسیلہ ذات مصطفی ﷺ پر ہے اور یہ یقین رکھتے تھے کہ جس دعا میں ہمارے آقا ﷺ کا وسیلہ شامل ہو جائے وہ رد نہیں ہوتی۔

اس دور پرفتن میں حالت یہ ہے کہ آج کم ظرف اور جاہل لوگ اپنے اعمال پر بھروسہ کرتے ہیں جو کہ کبھی بھی قطعی القبول نہیں ہوتے۔ تمام اعمال خواہ حج ہو نماز ہو زکوٰۃ وصدقات ہوں روزہ اور دیگر نیکیاں ہوں سب محتاج دعا ہیں اور دعا یہ کی جاتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

کہ یا اللہ جو میں نے عمل کیا ہے اسے اپنی بارگاہ میں قبول کرلے۔ گویا اعمال نہ جانے ریاکاری کی نذر ہو کر رد کر دیئے گئے ہوں۔ اسلئے اصحاب الرسول کبھی بھی اپنے اعمال کا سہارا نہ لیا کرتے تھے بلکہ نبی مکرم ﷺ

کا وسیلہ اپنے رب کی بارگاہ میں پیش کر کے اپنے مقاصد حاصل کرتے۔ پھر نظام کائنات کو اللہ رب العزت نے تو وسیلہ ہی سے مربوط کر رکھا ہے۔ یہ سب کچھ تصور وسیلہ کے باب میں گزر چکا ہے۔ یہاں ہمارا موضوع وسیلہ بعد از وصال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی نوعیت کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

۴:- امیر المؤمنین سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے ایام خلافت تھے ایک شخص اپنے کسی مقصد کے لئے دار الخلافت میں آیا مگر امیر المؤمنین توجہ نہ فرماتے وہ شخص ایک روز حضرت عثمان بن حنیفؓ سے ملا اور اس نے یہ شکایت کی حضرت عثمان بن حنیفؓ نے فرمایا کہ وضو کر کے مسجد میں جا کر دو رکعت نفل ادا کرو اور پھر ان الفاظ میں دعا کرو

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ اِنْ تُقْضٰی حَاجَتِیْ

حاجتی کی جگہ پر اپنی حاجت کا ذکر کر دینا یہ عمل کر کے امیر المومنین کے دروازے پر حاضر ہونا۔ جب وہ شخص حاضر ہوا تو دربان آیا اور اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اسے اپنے برابر فرش پر بٹھایا اور دریافت حال کے بعد اسکی حاجت پوری کر دی، دربار خلافت سے فارغ ہو کر وہ شخص پھر حضرت عثمان بن حنیفؓ کو ملا اور شکریہ ادا کیا اور آپ

نے مجھے ایک خاص دعا یاد کرادی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا خاص تحفہ ہے امت کے لئے۔ اس واقع کو طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی نے بھی روایت فرمایا ہے۔ آج بھی اگر کوئی پریشان حال مجبور مظلوم صدق دل سے اس دعا کو اسی طریقہ سے پڑھکر بوسیلہ مصطفیٰ ﷺ حاجت پیش کرے رب کریم قبول کرتے ہیں دیر نہیں کریں گے۔ ان تقضیٰ کے بعد اپنی زبان ہی میں اپنی حاجت بیان کردے وہ رب کریم ہر زبان والے کی دعا قبول بھی کرلیتا ہے اور سنتا بھی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ:

۱:- حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جب میرے والد محترم (ابوبکر صدیقؓ) بیمار ہوئے تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ جب میرا وصال ہو جائے تو مجھے حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کے پاس لیجانا اور اجازت مانگنا عرض کرنا

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ ھٰذَا اَبُوْبَکْرٍ قَدْ اشْتَھٰی اَیَدْ فَنَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ وَقَدْ اَوْصَانَا فَاِنْ اُذِنَ لَنَا دَخَلْنَا وَاِنْ لَّمْ یُؤْذَنْ لَنَا انْصَرَفْنَاہ

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ یہ ابوبکر ہیں ان کی خواہش تھی کہ انہیں آپ کے

پہلو میں مدفن نصیب ہوا انہوں نے ہمیں وصیت کی تھی ۔ اگر اجازت ہو تو اندر داخل ہو کر آپ کے پہلو میں دفن کر دینا ورنہ ہم پلٹ جائیں۔ یہ عرض کرنے کے بعد انتظار میں تھے کہ قبر انور سے آواز آتی ہے (ادخلوہ کرامہ) عزت و اکرام سے انہیں اندر لے آؤ۔

۲:- ایک دوسری روایت جسے حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ابن عساکر کے حوالہ سے خصائص کبریٰ میں نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے روایت کیا کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے اپنے سرہانے بٹھایا اور فرمایا اے علیؓ جب میرا وصال ہو جائے تو اپنے ہاتھوں سے مجھے غسل دینا کہ جن ہاتھوں سے تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا تھا۔ پھر خوشبو لگا کر حجرہ عائشہ کے سامنے لے جانا جہاں آقا آرام فرما رہے ہیں اور میرے دفن کے لئے اجازت طلب کرنا اگر اجازت مل جائے اور دروازہ کھل جائے تو اندر دفن کر دینا ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ غسل دینے اور کفن پہنانے کے بعد سب سے پہلے میں دروازہ اقدس پر حاضر ہوا ہو عرض کی، یارسول اللہ

یہ ابوبکر ہیں اور آپ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں ﷺ

میں نے دیکھا کہ اچانک دروازہ کھل گیا اور یہ آواز آئی

اُدخِلُوا الحَبِیبَ اِلَی الحَبِیبِہٖ فَاِنَّ الحَبِیبَ اِلَی الحَبِیبِ مُشتَاقٌ ○

ترجمہ: دوست کو اپنے دوست کے پاس لے آؤ پس دوست اپنے دوست سے ملنے کا مشتاق ہے۔

یہ ہی واقعہ خصائص الکبریٰ کے علاوہ شیخ محقق حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب مدراج النبوۃ میں اور مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے اپنی کتاب شواہد النبوۃ میں بھی نقل کیا ہے۔ یہ واقعہ تو آپ نے بغور پڑھ لیا ہے۔ اب اسکے بطن میں چھپے موتیوں کے رنگوں کا ملاحظہ فرمائیں۔

ا:- حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ عقیدہ تھا کہ پہلوئے مصطفیٰ ﷺ میں دفن ہونا وسیلہ نجات ہوگا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے اس عقیدہ سے یہ مسئلہ استنباط ہوتا ہے کہ بزرگان دین کے مزارات اور نیک صالح لوگوں کے قبور کے پاس دفن ہونا ذریعہ رحمت و برکت اور وسیلہ نجات ہوتا ہے۔

۲:- حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ اور دیگر اصحابہ جن کو وصیت کی گئی اور

جنہوں نے اس وصیت پر عمل کیا سب ہی کا یہ ہی عقیدہ تھا کہ ہمارے آقا و مولا ﷺ بعد از وصال بھی سنتے ہیں۔ اور حسب مسائل جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہ ہی عقیدہ آج اہلسنت و جماعت کا ہے۔

۳:۔ تمام اصحابہ اکرام معہ حضرت صدیق اکبرؓ کا حیات النبی ﷺ کا عقیدہ تھا کہ حضور بعد از وصال اپنی تربت انور میں زندہ ہیں اور اپنے زائر و سائل کو پہچانتے ہیں۔

۴:۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کا درجہ اور مرتبہ پوری امت میں بہت بلند ہے۔ نبی پاک رؤف الرحیم ﷺ کے ساتھ ایک خاص نسبت حاصل ہے۔ خود ذات مصطفیٰ ﷺ کی حیات ظاہر یہ میں تقریباً سترہ نمازوں میں امامت کروانے کا شرف حاصل رہا ہے۔ ان تمام تر فضائل و مراتب کے باوجود وقت وصال وصیت فرما رہے ہیں۔ اے علی مجھے آخری غسل آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے دینا ہے کہ جن ہاتھوں سے جسد پاک مصطفیٰ ﷺ کو آپ نے غسل دیا تھا ان ہاتھوں کو حضور کے جسد پاک کا لمس حاصل ہے اور آپ بھی رسول اللہ کے نزدیک اور مقرب ہیں۔

۵:- سیدنا صدیق اکبرؓ نے تمام اصحابہ میں صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلا کر وصیت فرمائی اور اپنی خواہش ظاہر فرمائی کہ غسل مجھے اپنے مبارک ہاتھوں سے دینا۔ آخر کیوں؟ اصحابہ تو بڑے بڑے وہاں موجود تھے عمر فاروق بھی تھے عثمان غنی بھی تھے۔ حضرت عباس بھی تھے مگر صرف علی المرتضیٰ کو وصیت کرنے کا مقصد کیا تھا۔ بات صاف ظاہر ہے، کہ جناب صدیق اکبرؓ کو حضرت علی المرتضیٰ کی نسبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار تھا پھر علی المرتضیٰ کو حضور نے سب کا مولا قرار دیا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔ اور پھر علی المرتضیٰؓ فرد پنجتن پاک بھی ہیں۔ تو حضرت صدیق اکبرؓ ان سب برکتوں کو بوسیلہء حیدر کرارؓ حاصل کرنا چاہتے تھے کیونکہ جناب صدیقؓ مقام علی المرتضیٰ پہچانتے تھے۔ آج کا مسلمان صرف اپنی جھوٹی عزت اور روٹی کا ٹکڑا کمانے کے چکر میں ان عظیم ہستیوں میں تفرقہ ڈالنے کی سعی لاحاصل کر رہا ہے۔ تعجب ہے ان کی اس علمی بددیانتی پر یہ واقعہ ہی ان سب دعوے داروں کے لئے کافی ہے۔ اگر اس پر غور و فکر کریں اور ان سب لوگوں کے لئے جو اہلبیت کی محبت میں اصحابہ اکرام سے بغض رکھتے ہوئے زبان درازیاں

کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اصحابہ اکرام کی عظمت اور ناموس اصحابہ کا ڈھونگ رچا کر عظمت علی المرتضیٰ کا انکار کرتے اور زبان بے لگام کر لیتے ہیں۔

خدارا امت پر رحم کریں اس قسم کے عقائد کی فروغ و تبلیغ کر کے آپ کوئی دین کی خدمت نہیں کر رہے بلکہ نفرتوں کا بیج بو رہے ہیں۔ امت میں دوریاں کر رہے ہیں خدارا اپنی آنکھوں سے تعصب، حسد و بغض کی پٹی اتار کر مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اہلبیت اطہار اور اصحابہ اکرام میں کس قدر گہری محبت کا رشتہ تھا۔ یہ عنوان موضوع سے ہٹ جائے گا ورنہ یہ تعلق اور رشتہ مابین اصحابہ اور اہلبیت اطہار خوب دلائل سے بیان کرتے۔ بس اپنے رب کریم سے دل کی گہرائی سے دست بدعا ہوں کہ اپنے رحمتوں والے محبوب کریم سے تصدق سے ایسے لوگوں کو ہدایت دے اور ہم سب کو تمام بزرگوں کا احترام و عزت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔ ہم نوجوانان ملت کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ آج کے چرب زبان مبلغین اپنی علمی بد دیانتی سے جو بہکانے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں ان کی باتوں میں نہ آئیں بلکہ عقیدہ اصحابہ تلاش کریں۔ عقیدہ آئمہ اربعہ دیکھ لیں اولیاء متقدمین کا عقیدہ جاننے کے لئے تھوڑی کاوش کر لیں تا

کہ راہ ہدایت نصیب ہو۔

بعض لوگوں کو اپنے کیئے ہوئے اعمال کا بڑا گھمنڈ ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے تقویٰ دار ہیں ، بڑے پرہیزگار ہیں بڑی سخاوت کرنے والے ہیں، یعنی ہم سے بڑھکر کوئی دوسرا نیک نہیں ہے۔ اور وہ اپنے ان نیک اعمال (جو کہ بزعم خویش نیک ہوتے ہیں) کو ہی کافی محسوس کرتے ہوئے وسیلہ جیسی با برکت اور اہم نعمت کا انکار کر بیٹھتے ہیں اور اس کی تمام برکات وعنایات سے محروم رہتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی ذات بڑی کریم و شفیق ہے وہ یہ نہیں چاہتی کہ اس کے محبوب کی امت اس بڑی عظیم نعمت سے محروم رہے۔ جسے اس خالق کائنات نے اپنا نظام کائنات چلانے کے لئے خود اختیار کر رکھا ہے۔ وہ ذات کریم اپنے محبوب کریم کی امت کے ان افراد سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمارہے ہیں

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْآ اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْ فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (المائدہ)

ترجمہ: اے ایمان والوتقویٰ اختیار کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور پھر اس پر وسیلہ تلاش کرو پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرو (مجاہدہ، ریاضت، عبادت) تاکہ تم فلاح پاسکو۔ تصور وسیلہ کے عنوان کے تحت اس قسم کی بہت سی آیات کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اب اس آیہ کریمہ کو ذرا کھول کر دیکھتے ہیں

کہ منشاء الٰہی پوری ہو سکے۔

اس آیہ کریمہ میں پہلے دو چیزوں کا ذکر ہوا اور یہ خطاب فرمایا گیا ایمان والوں سے، ایمان والوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو۔ پہلی بات کہ جب خطاب ایمان والوں سے ہے جو شخص مومن بن گیا وہ تقویٰ دار نہیں ہے اللہ سے ڈرنے والا نہیں ہے۔ ضرور وہ شخص جس نے اپنی زبان سے اور دل کی تصدیق کے ساتھ کلمہ حق پڑھ لیا اس کے دل میں ضرور خوف خدا ہے۔ وہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ برائیوں سے بچنا اسکے ایمان کا تقاضہ ہے۔

ایک شخص جب ایماندار ہے پھر مزید تاکید کی جارہی ہے کہ تقویٰ اختیار کرو مطلب اس کا یہ ہے کہ تمہارا ایمان لانے کے بعد کثرت عبادت کثرت سخاوت کثرت تلاوت تمہارے دلوں سے نخوت و تکبر پیدا نہ کرے اسلئے ان تمام نیک اعمال کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری یہ دن رات کی کمائی یہ شب بیداریاں ، روزہ داریاں، پرہیزگاریاں یکسر غارت نہ ہو جائیں۔ ریاکاری کی نظر نہ ہو جائیں، کہیں تکبر کی وجہ سے رد نہ کردی جائیں تو ان باطنی بیماریوں سے بچنے کے لئے اللہ رب العزت نے پھر حکم دیا کہ وَابْتَغُوٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ

اب تمہارے پاس ایمان بھی ہے اور تمہارا دامن اعمال کے حسین

موتیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس سے پہلے کہ تم اسے ضائع کر بیٹھو، جاو اطراف اکناف میں پھیل جاؤ ان سب ایمان و اعمال حسین کے باغ کو محفوظ رکھنے کے لیئے کسی محافظ کی تلاش کرو جسکی وجہ سے تمہارے یہ سارے کا سارا باغ شیطان لعین کے شراروں سے اور بد عقیدگی کی آگ سے بچ سکے گا اور اس محافظ کو مرشد کامل کہا جاتا ہے۔ یہ حکم رب کریم خود ارشاد فرما رہے ہیں کہ میرے محبوب کا کوئی امتی بھی میرے کرم سے محروم نہ رہ جائے، اور تمہاری عبادتیں، ریاضتیں راتوں کو اٹھ اٹھ کر ذکر کرنے کی محنتیں سب با آسانی مجھ تک پہنچانے کے لئے کسی ہادی و راہبر و راہنما جو تقویٰ دار ہو شریعت مطہرہ پر عمل کرنے والا ہو شب و روز اپنے رب کے سامنے جھکنے والا ہو ایسے مرد کامل کی تلاش کرلو، جب ایسا ہادی و رہبر مل جائے گا تو پھر کسی قسم کا فکر نہیں۔ یہ ساری محنتیں رنگ لائیں گی اور دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کردیں گی۔ گویا وسیلہ مرشد کامیابی کی شرط ٹھہرا۔ امت مسلمہ میں ہزاروں لاکھوں افراد اولیاء قطب، ابدال، غوث اس عظیم مرتبے پر فائز ہیں جن کا وسیلہ حفاظت اعمال و ایمان کا ذریعہ ہے اور آخرت میں مددگار اور کامیابی کا سبب ٹھہرا ہے۔ تو جس ذات پاک کے تصدق و کرم سے ان تمام بزرگوں کو بزرگی ملی ولایت ملی اس ذات کا وسیلہ تو بدرجہ اتم عند اللہ مقبول و محبوب ہوگا

بلکہ یقیناً ہے۔ وہ ذات ہے جو وجہ تخلیق کائنات ہے اور محبوب رب کائنات ہیں ﷺ ان کا توسل بلاشک قبول و مقبول ہے۔ اللہ رب العزت کو جسقدر اپنے محبوب سے محبت و پیار ہے۔ عقل انسانی اسکا اندازہ ہی نہیں کر سکتی۔ محبوب کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ قرار دیتا ہے۔ کبھی محبوب کی زلفوں کا ذکر اپنے کلام میں کرتا ہے کبھی چہرہ انور کا ذکر کبھی سینہ اقدس کا ذکر یہ سب تذکرے محبوب سے محبت کا اظہار ہے۔ تو پھر محبّ یہ بھی جانتا ہے کہ جو معاملہ ہو وہ میرے محبوب کے ذریعے ہو۔ اگر کوئی مجھ سے مانگے تو میرے محبوب کے در پر جائے اور جو میں تقسیم کروں تو پھر بھی آستانہ محبوب ہی سے اس کی تقسیم ہو لوگ پھر در محبوب پر ہی آئیں تو اسی نوعیت کا یہ ایک معاملہ ہے۔ ارشاد رب کریم ہے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا الرَّحِيْمًا ○

(النساء)

ترجمہ: محبوب اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو تیرے پاس آجائیں پھر اللہ سے معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے لئے معافی مانگ دے (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنیاد پر) تو پھر اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم

کرنے والا پائیں گے۔

گویا کہ اللہ رب العزت کو اپنے محبوب کے در پر حاضری بہت زیادہ مقبول و محبوب ہے۔ معاف کرنے کی شرط ہی در محبوب کی حاضری ہے۔ اس وسیلہ مصطفیٰ ﷺ کی ترغیب ہے تصور وسیلہ میں اسکی مکمل وضاحت گزر چکی ہے۔ بحر حال پھر بھی اسکی مزید تشریح کے لئے وسیلہ کی تائید میں ایک حدیث بیان کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت بہت لوگوں نے بیان کی ہے۔ جن میں ابو منصور صباغ اپنی کتاب الحکایات المشھورہ میں لکھتے ہیں کہ عتبی نے بیان کیا، اس واقعہ کی تائید ابن عساکر اور ابن الجوزی نے بھی کی ہے

عَنِ الْعُتْبِیِّ قَالَ کُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ ... فَجَاءَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ سَمِعْتُ یَقُوْلُ وَلَوْ اَنَّھُمْ قَدْ جِئْتُكَ مُسْتَغْفِرًا لِذَنْبِیْ مُسْتَشْفِعًا بِكَ اِلٰی رَبِّیْ۔ (تفسیر ابن کثیر)

ترجمہ: عتبی نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کے پاس بیٹھا تھا ایک عرابی آیا اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ میں نے سنا ہے کہ اللہ کے پاک کلام میں ہے کہ اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ ﷺ کی

بارگاہ میں حاضر ہو جاتے

اللہ سے معافی مانگتے اور رسول اللہ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرے تو پھر اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی خدمت میں آ گیا ہوں اور اپنے گناہوں کی معافی کا طلب گار ہوں۔ آپ کو اپنے رب کے سامنے سفارش (وسیلہ) بناتے ہوئے حاضر ہوا ہوں۔ پھر اعرابی نے یہ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ اے مدفون لوگوں میں سب سے بہترین جن کی وجہ سے میدان اور ٹیلے اچھے ہو گئے میری جان بھی اس قبر پر قربان جسمیں آپ رونق افروز ہیں اور جسمیں شفاعت و جود و کرم ہے پھر اعرابی چلا گیا اور مجھے نیند آ گئی مجھے خواب میں آقا کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا

يَا عُتبِيُّ اَلحَقِ الاَعرَابِيَّ فَبَشِّرہُ اِنَّ اللهَ قَد غَفَرَ لَهُ

ترجمہ: اے عتبی جاؤ اس اعرابی کو خوش خبری سناؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ عتبی کے اس واقعہ سے یہ بات واضح ہو گئی اور قران کریم کی آیہ کریمہ جو اعرابی نے بارگاہ رسالت میں اپنے گناہوں کی مغفرت کے لئے پیش کی کہ حضور تو حسب حکم الہیٰ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا ہوں۔ حضور کرم فرما دیجئے آقا نے محروم نہیں رکھا بلکہ

باقاعدہ خوش خبری دے بھیجی ہے کہ جاؤ تم ہمارے در پر حاضر ہوئے تو ہمارے
رب نے اس حاضری کے صدقہ و وسیلہ سے تمہارے سارے گناہ معاف کر
دیئے ہیں۔ حضرات محترم، وسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شرط قبولیت توبہ قرار پایا ہے۔
اس شرط پر عمل نہ ہو تو پھر لاکھ جتن کرے توبہ قبول نہیں ہوگی اور یہ واقع
بالخصوص ان حضرات کے لئے مقام تفکیر ہے کہ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں
معاذ اللہ وہ تو مر کر مٹی میں ملنے والے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ مدد کر سکتے ہیں
اس قسم کا گندہ عقیدہ اگر کسی کا ہو تو اسے فوری طور پر اپنی اصلاح کر لینی
چاہئے کیونکہ یہ حکم رب کائنات وحدہ لاشریک نے دیا ہے کیا یہ حکم ایسے ہی
دے دیا گیا ہے۔ جس پر عمل کی ضرورت نہیں اگر یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے تو
پھر اسکی ناسخ آیت کہاں ہے اور تنسیخ کس نے جاری کی ہے۔ یہ سب
مفروضے بنا کر اپنے ایمان کو تباہ کرنے کی لاحاصل جسارتیں ہیں۔ اس قسم
کی سوچ بھی رب کریم کو پسند نہیں خالق کائنات نے اپنے محبوب کریم کو
مالک کائنات بنایا ہے۔ اسی لئے تو قبولیت توبہ کی شرط وسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
سفارشیں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرائی گئی ہے۔ اعلحضرت الشاہ احمد رضا خان بریلویؒ
نے کیا عشق بھرا خوب کلام کہا ہے۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

اسی نوعیت کا ایک اور واقع ملاحظہ فرمائیں جو آپ کے طمانیت قلب کا باعث بنے گا۔ امام قرطبی اپنی تفسیر الاحکام القرآن میں واقعہ نقل فرماتے ہیں۔ ابو صادق نے حضرت علی المرتضیٰ سے روایت کیا کہ ہمارے سامنے ایک دیہاتی حضور نبی مکرم شفیع معظم ﷺ کے وصال مبارک کے تیسرے روز آیا اور اس نے اپنے آپ کو قبر انور کے قریب زمین بوس کر دیا۔ قبر مبارک کی تراب انور اپنے سر پر ڈالی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ نے جو فرمایا ہم نے سنا آپ نے اللہ تعالیٰ سے احکام لئے اور ہم تک پہنچائے اور ہم نے آپ سے وہ احکام لئے انہی احکامات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اس نے یہ آیت پڑھی اور عرض کیا کہ حضور حسب حکم الٰہی میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا ہوں آپ میرے لئے استغفار فرما دیں میری سفارش فرما دیں اعرابی کی اس التجا پر قبر انور سے آواز آئی

اِنَّهٗ قَدْ غُفِرَ لَكَ۔

بے شک تمہاری مغفرت ہو گئی۔ واقع بیان کرنے والی شخصیت کوئی

معمولی نہیں وہ سیدنا علی المرتضیٰؓ ہیں جو فرمار ہے کہ تربت انور سے آواز آئی

گویا کہ بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں التجا کی جائے آقا سنتے ہیں جانتے ہیں کہ کون

التجا کر رہا ہے۔ پھر بخشش کی بشارت بھی دے دیتے ہیں۔ یہ عقیدہ تھا اصحابہ

اکرام کا کہ حضورؐ وصال مبارک کے بعد بھی مدد فرماتے ہیں ان کا وسیلہ اللہ

کے حضور پیش کیا جائے تو پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔

جب دعاؤں اور کوششوں سے بھی بات نہ بنے تو
فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو، اللہ اپنے بندوں کے بارے
میں بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

حضور اپنی قبر انور کے اندر بھی سنتے ہیں اور جواب مرحمت

فرماتے ہیں گویا کہ حضور اپنی قبر انور کے اندر زندہ ہیں اسی لئے تو امام احمد رضا

خان بریلویؒ نے فرمایا۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ

میری چشم عالم سے چھپ جانے والے

احادیث میں اس قسم کے بہت واقعات ملتے ہیں مگر ایک اور واقع

جو بڑا مشہور و مقبول ہے۔ جسے مولوی محمد ذکریا صاحب کاندھلوی جو کہ

صاحب تبلیغ نصاب ہیں اور علماء دیوبند میں بڑے مقبول اپنی کتاب فضائل

حج میں بحوالہ طحاوی للسیوطی نقل کرتے ہیں۔ سید احمد رفاعیؒ مشہور بزرگ اکابر

صوفیہ میں سے ہیں۔ حج کرنے کے لئے گئے حج سے فراغت کے بعد حضور ﷺ کی زیارت کے لئے روضہ اطہر پر حاضر ہوئے عرض کیا۔

فِي حَالَةِ الْبُعْدِ رُوحِي كُنْتُ أُرْسِلُهَا تُقَبِّلُ الْأَرْضَ عَنِّي وَهِيَ نَائِبَتِي

وَهٰذِهِ دَوْلَةُ الْأَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ

فَامْدُدْ يَمِينَكَ كَيْ تَحْظَى بِهَا شَفَتِي

ترجمہ: دوری کی حالت میں میں اپنی روح کو خدمت اقدس میں بھیجا کرتا تھا۔ وہ میری نائب بن کر آستانہ مبارک چومتی تھی۔ اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے اپنا دست مبارک عطا کیجئے تا کہ میرے ہونٹ اسکو چومیں۔ اس پر قبر شریف سے دست مبارک باہر آیا اور انہوں نے چوما کہا جاتا ہے اس وقت تقریباً ۹۰ ہزار کا مجمع تھا جس نے اس دست مبارک کی زیارت کی۔

جب بات کرم مصطفیٰ ﷺ کی ہی ہو رہی ہے دل میں ایک ذوق بنا کہ تحدیث نعمت طور پر عنایت و فضل مصطفیٰ ﷺ کے تذکرہ کے طور پر راقم الحروف خوشہ چین و رحمت مصطفیٰ ﷺ بھی ایک واقعہ ہدیہ قارئین کر رہا ہے۔ ۱۹۸۵ کے حج کا موقعہ تھا۔ ناچیز کی عادت یہ رہی ہے کہ جب بھی عمرہ

یا حج کے لئے سعادت سفر نصیب ہوتی پہلے مدینہ منورہ بارگاہ رسالت ﷺ میں مکمل حاضری کے بعد حج یا عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ روانگی اختیار کی ہے۔

ان کے طفیل رب نے حج بھی کرا دیئے
اصل الاصول حاضری اس پاک در کی ہے

بارگاہ رسالت میں اپنے بچوں کے ہمراہ حاضر تھا کہ نہایت ادب و احترام اور دل میں ندامت و خوف لئے لرزتے کانپتے ہونٹوں سے یہ الفاظ ادا ہوئے کہ ''یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کی بارگاہ میں اپنے بچوں کے ساتھ حاضر ہوں آقا پہلے اکیلے آیا تھا اور ٹیکسی والوں کے ساتھ زیارات کے لئے گیا تھا۔ اب آپ کی عطا سے میرے پاس اپنی گاڑی ہے اور مجھے راستوں کی خبر نہیں۔ میرے آقا اپنی کوئی محبوب و مقبول شخصیت میری راہنمائی کے لئے بھیج دیں۔ تاکہ میں آپ کے نقوش پا کی زیارت کرسکوں۔ یہ الفاظ ڈرتے ڈرتے اپنے گناہوں کا بوجھ دل پر محسوس کرتے ہوئے آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہاتے ہوئے ادا تو کر دیئے مگر دل میں خیال پیدا ہوتا اور اپنے اعمال و کردار پر نگاہ تصور بار بار جاتی ہے تو بے ساختہ زباں پر جاری ہوتا ہے میں گنہگار کس شمار و قطار میں ہوں جو اتنی بڑی درخواست پیش کر دی ہے۔

لیکن دل کے ایک کونے سے ہلکی سی آواز آتی کہ درخواست کسی دنیا

دار بادشاہ کے دربار میں نہیں دی بلکہ درخواست اس بادشاہوں کے بادشاہ کے حضور پیش کی گئی ہے، جہاں سے کوئی بھی خالی نہیں گیا۔ پھر رب کریم نے تو اپنے محبوب کو مختار کل بنا کر اس بات کا عمل کر دیا ہے

وَ اَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ

یہ امید کی کرن بڑی حوصلہ افزا تھی آقا کریم ﷺ نے دیر ہی نہیں کی بس مواجہہ شریف کے سامنے دل میں مختلف خیالات لئے اور امید کی کرن لئے مسجد نبوی شریف کے پہلے صحن میں آ کر بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ میرے دونوں بیٹے سید محمد عاطف گیلانی القادری اور سید محمد آصف القادری جن کی عمریں ۱۱ سال اور ۹ سال تھیں، وہ بھی موجود تھے۔ ابھی آ کر بیٹھے ہی تھے کہ ایک شخصیت بڑی پر وقار بڑے باوقار انداز میں خراماخراما چلی آ رہی تھی۔ میرے نہایت قریب آ گئی تو میں ادباً کھڑا ہو گیا، انہوں نے آ کر کہا، اسلام وعلیکم، میں نے جواب دیا تو فرمانے لگے کہ بندہ حاضر ہے۔ حکم فرمائیں میں نے کہا حضرت شاید آپ کو کوئی غلطی لگ گئی ہے، میری اور آپ کی جان پہچان ہی نہیں۔ شاید آپ کو کسی اور سے ملنا ہے انہوں نے فرمایا کہ نہ غلطی ہوئی ہے اور نہ بھیجنے والوں نے غلط جگہ پر بھیجا ہے، فرمایا کہ آپ نے ابھی کچھ دیر پہلے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں کوئی درخواست دی

تھی تو سرکار نے بندہ ناچیز کا انتخاب کیا ہے۔

لہٰذا خادم حاضر ہے۔ میں نے جب یہ سنا تو میری آنکھوں میں خوشی کے آنسو منڈلانے لگے۔ اور اس شخصیت پر رشک بھی آیا کہ یہ وہ شخصیت ہے جو سرور کونین ﷺ کی بارگاہ اقدس میں مقبول و محبوب ہے۔ اور وہ شخصیت تھی آستانہ عالیہ دوھٹہ حافظ آباد شریف کے سجادہ نشیں پیر طریقت رہبر شریعت حضرت پیر سید عارف شاہ صاحب بخاریؒ، اب ان کی اولاد سے سید مراتب علی شاہ بخاری صاحب وارث فیوض و برکات ہیں۔

واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ بعد از وصال بھی سنتے ہیں۔ مدد فرماتے ہیں اور ان کے توسل سے جو بھی دعا کی جائے رب کریم اسے ضرور پورا فرماتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہماری یہ وابستگیاں قائم و دائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

گویا کہ بارگاہ اقدس میں جو کوئی صدق و اخلاص سے ملتجی ہوتا ہے۔ وہ ہی اپنی جھولی کو ہر مراد سے بھر لیتا ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات موجود ہیں۔ کہیں سرکار اپنے عقیدتمندوں کی مدد و استعانت گھر جا کر بھی فرماتے ہیں۔ یہ تو تعلق کی بات ہے۔ جتنا تعلق بالرسالت مضبوط ہوگا اس کی بات اتنی ہی جلدی سنی جائیگی۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہ ہی عقیدہ اہلسنت و

جماعت کا ہے کہ ہماری التجائیں جہاں سے بھی پکاری جائیں آقاؐ سنتے ہیں۔ پکارنے والے کو بھی پہچانتے ہیں اور جب وسیلہ مصطفیٰ ﷺ کو عرض پیش کی جائے تو وہ بھی رد نہیں ہوتی۔ قبول و مقبول ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت سے استدعا ہے کہ ذات رب کریم اپنے محبوب کریم سے ہمارا تعلق غلامی مضبوط ترین بنادے تاکہ ایمان کے ڈاکو ہمارے اور ہمارے نوجوانوں کے ایمان پر ڈاکہ نہ ڈال سکیں۔

اللہ رب العزت ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے اور بوسیلہ مصطفیٰ ﷺ عقائد اہلسنت کو ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے اور ان الفاظ کو پڑھکر سمجھکر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔ عزیزان گرامی یہ حدیث پاک تو بڑی مشہور اور معروف ہے۔ روز قیامت جملہ ذریت آدم اس دن کی تپش و گرمی سے تنگ آ کر سارے انبیاء کی خدمت میں یک بعد دیگرے حاضر ہوتے چلے جائیں گے ہر نبی یہی جواب دے گا۔

اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِىْ

کسی دوسرے کے پاس جاؤ بالآخر تمام انسانیت آدم و ماسوا سبھی حضور نبی مکرم شفیع معظم شافع یوم النشور ﷺ کے در مقدس پر حاضر ہونگے۔

حضرت انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد

فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا لوگ گھبرا کر ایک دوسرے کے پاس جائیں گے سب سے پہلے حضرت آدمؑ کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے آپ ہمارے لئے اپنے رب سے سفارش کریں تو وہ فرمائیں گے کہ آج یہ میرا منصب نہیں البتہ تم حضرت ابراہیمؑ کے پاس چلے جاؤ، وہ اللہ کے خلیل کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے تو وہ بھی یہ ہی فرمائیں گے میں اس قابل نہیں ہوں، تم حضرت عیسیٰؑ کے پاس جائیں گے اور عرض کریں تو وہ بھی فرمائیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں البتہ تم حضرت موسیٰؑ کے پاس جاؤ کہ وہ اللہ کی کلیم ہیں۔

لوگ حضرت موسیٰؑ کے پاس جائیں گے وہ بھی یہی فرمائیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں تم حضرت عیسیٰؑ کے پاس جاؤ کے وہ روح اللہ ہیں لوگ حضرت عیسیٰؑ کے پاس حاضر ہونگے التجا کریں گے وہ بھی یہ ہی فرمائیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں البتہ تم لوگ حبیب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے جاؤ۔ پھر ساری انسانیت میرے پاس آجائے گی (اور اپنی پریشانی عرض کرے گی میں انہیں خوش خبری دونگا) میں کہوں گا

أَنَا لَهَا

ہاں یہ میرا ہی کام ہے۔ میں اس کام کے لئے ہوں۔ منصب

شفاعت پر میں ہی ہوں۔

میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا، اجازت مل جائے گی اور پھر حمدوں کا الہام ہوگا جس کے ذریعے میں اللہ رب العزت کی حمد وثناء بیان کروں گا، اوراپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوجاؤں گا پس مجھے کہا جائے گا۔

یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ یَسْمَعْ لَكَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ

اے محمدؐ اپنا سر اٹھایئے، کہو سنا جائے گا، مانگو عطا کیا جائے گا، شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول ہوجائے گی۔

میں عرض کروں گا، یا اللہ میری امت میری امت پس حکم ہوگا کہ جایئے اور جہنم سے بھی اسے نکال لیجئے جس کے دل میں جو کے برابر بھی ایمان ہے۔ پس ایسا ہی کروں گا۔ پھر میں جا کر سجدہ ریز ہو جاؤنگا، پھر حکم ہوگا سر اٹھایئے مانگو عطا کیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔ پھر میں عرض کرونگا، میری امت میری امت حکم ہوگا جہنم سے اسے نکال لیجئے میں ہر اس کو جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا نکال لاؤں گا گویا کہ حضور پاک ﷺ چار بار ایسا ہی کریں گے۔

اس حدیث پاک سے یہ بات ثابت ہوگئی، کہ میدان حشر میں

حساب وکتاب کا سلسلہ لوگوں کی پریشانی کا مداوا حضور نبی مکرم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ہی شروع ہوگا، اور بوسیلہ مصطفیٰ ﷺ امت محمدیہ ہی کا حساب و کتاب تمام امتوں سے پہلے ہوگا کہ محشر کی گرمی میں زیادہ دیر کھڑے نہ رہیں۔ اس دن تو ب کو ہی ماننا پڑے گا۔ جو آج وسیلہ کا انکار کرنے والے ہیں۔کل محشر میں ماننے پر مجبور ہونگے۔مگر وہاں کا ماننا قابل قبول نہ ہوگا کہ (وامنو بالغیب) کے منافی ہے۔اسی لئے تو اعلحضرت احمد رضا خان بریلویؒ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

درج بالا حدیث پاک کی روشنی میں دیکھا جائے تو محشر کا دن عظمت مصطفیٰ ﷺ کی دوہائی کا دن ہے۔ اہلسنت وجماعت کے عقیدے کی سچائی کا دن ہے۔ مخالفین ومنکرین عظمت مصطفیٰ ﷺ کی رسوائی کا دن ہے۔ اسلئے دوستان محترم آج ہمیں اپنا قبلہ درست کرنا ہے۔آج عقیدہ درست ہوگا تو کل قیامت میں کام آئے گا۔ بحمد اللہ تعالیٰ وسیلہ کے بارے میں مختصر مگر جامع تحریر کردی گئی ہے۔ اللہ رب العزت اس کو پڑھکر قارئین کے لئے مشعل راہ بنائے اور میرے لئے توشہ آخرت بنادے آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ہشتم: وسیلۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالآثار

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ○

ترجمہ:- اور ان کے نبی نے ان سے فرمایا۔ کہ اسکی سلطنت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آئے گا۔ اسمیں تمہارے رب کیطرف سے تسکین قلب کا سامان ہوگا۔ اور کچھ آل موسیٰ اور آل ہارونؑ کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہونگے۔ اسے فرشتوں نے اٹھایا ہوگا۔ اگر تم ایمان والے ہوتو بے شک اسمیں تمہارے لئے بہت بڑی نشانی ہے۔

نبی مکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اللہ رب العزت کے محبوب ہیں۔ اور تمام انبیاء و مرسلین سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ اور پھر نام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑی برکتیں اور رحمتیں ہیں۔ جسطرح کہ ذات میں برکتیں ہیں۔ اسی طرح ان سے واسطہ ہر چیز میں برکت اور رحمت ظاہر ہو جاتی ہے۔ یعنی جو چیزیں بھی بابرکت شخصیات سے منسوب ہو جائیں ان کی نسبت و وسیلہ کی وجہ سے وہ چیزیں بھی بابرکت ہو جاتی ہیں۔ اور یہ بات صرف مفروضہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی کہاوت بلکہ قرآن کریم فرقان الحمید اس بات کی تائید و اعانت کر رہا

ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیہ کریمہ جو اوپر نقل کی گئی ہے۔ جسمیں تابوت سکینہ کے بارے ذکر کیا گیا ہے۔

یہ تابوت سکینہ کسی انسان کے ہاتھوں کا تیار کردہ نہیں تھا بلکہ اللہ رب العزت نے اس تابوت کو حضرت آدمؑ پر نازل فرمایا تھا۔ یہ صندوق طول میں چار ہاتھ اور عرض میں دو تھا۔ اس میں تمام انبیاءؑ کی تصاویر تھیں جو قدرت سے بنی ہوئی تھیں نہ کہ کسی مصور کی تصویر کشی خیالی چیزیں تھیں۔ پھر ہر نبی کے مسکن کا نقشہ بھی موجود تھا۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحالت نماز دکھائے گئے گرداگرد اصحابہ کرام کا جم غفیر بھی بتایا گیا یہ صندوق وراثتاً منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰؑ تک پہنچا۔ حضرت موسیٰؑ اسی صندوق میں الواح توریت بھی رکھا کرتے تھے۔ اسمیں تبرکات موسیٰؑ عمامہ شریف، عصا مبارک، پیراہن شریف اور الواح توریت کے علاوہ حضرت ہارونؑ کا عمامہ شریف اور ان کا عصا مبارک بھی اسمیں پڑے ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰؑ جنگ کے وقت اس صندوق کو آگے رکھ کر دعا کیا کرتے تھے۔ اس کے آگے رکھنے سے بنی اسرائیل کو تسکین رہتی تھی۔ ان کے بعد یہ صندوق بنی اسرائیل میں متوارث چلا آیا۔ جب کبھی بھی بنی اسرائیل کو کوئی مشکل درپیش ہوتی اس تابوت کو سامنے رکھ کر دعا کرتے بڑی سے بڑی مشکل حل ہو جاتی اور اپنے دشمنوں پر

بھی اس صندوق کی برکت سے فتح حاصل کرتے۔

بنی اسرائیل کی حالت خراب ہونا شروع ہوئی اور بد عملی نے جنم لیا جس سے سارا نظام یکجہتی خراب ہو گیا۔ جس سے بنی عمالقہ نے فائدہ اٹھایا۔ اور تابوت سکینہ بنی اسرائیل سے چھین لیا۔ اور اس تابوت سکینہ کی بے حرمتی کی اسے ناپاک کر دیا گندے مقامات پر رکھا۔ اسکی بے حرمتی اور گستاخی کی اللہ رب العزت نے بنی عمالقہ کو سخت عذاب میں مبتلا کر دیا۔ ان کی پانچ بستیاں بالکل ہلاک ہو گئیں۔ آخر انہیں یقین ہو گیا کہ اس تابوت سکینہ کی بے ادبی کیوجہ سے ہی ہماری بربادی ہو رہی ہے۔ انہوں نے اپنی جان چھڑانے کے لئے اس مبارک تابوت جسمیں انبیاء کی تصاویر اور تبرکات موجود تھے ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو ہانک دیا۔ جہاں چاہے چلے جائیں مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس بیل گاڑی کو ہانک کر طالوت جو کہ بنی اسرائیل کے لئے اللہ کی جانب سے راہنما مقرر کر دیا گیا۔ لوگ اس کی حاکمیت اور قیادت کا انکار کرتے تھے کہ کوئی واضح نشانی ہونی چاہئے۔ تو یہ تابوت ان کے لئے طالوت کی بادشاہت کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ اور ساری بنی اسرائیل قوم جناب طالوت کے سامنے جھک گئے اور ان کے دلوں کو طمانیت وسکون پیدا ہو گیا۔ طالوت نے بنی اسرائیل کے ستر ہزار

افراد کا چناؤ کیا جن میں حضرت داؤدؑ بھی شامل تھے (بحوالہ تفسیر جلالین، تفسیر خازن، تفسیر مدارک) اب اس واقعہ کے لکھنے کا مقصد بیان کیا جاتا ہے۔اور نقاط جو سامنے آتے ہیں ہمارے موضوع کے عین مطابق ہیں۔

ا:- یہ طابوت لکڑی کا بنا ہوا ایک صندوق ہے۔اسکے بابرکت ہونے کی وجوہات جو بیان ہوتی ہیں۔

ا:- انبیاءؑ کی تصاویر اسکے اندر رکھی گئی تھیں۔

۲:- حضرت آدمؑ سے لیکر بعد میں آنے والے تمام انبیاء کیا دوار میں اسے تمام انبیاء کی برکات حاصل تھیں۔

۳:- تھوڑی افراد قوت کے باوجود بھاری دشمن کی طاقت پر فتح یاب اس تابوت کی برکت وسیلہ سے ہوتے رہے۔

۴:- معلوم ہوا کہ تبرکات انبیاء مقربین کے وسیلہ سے کی گئی دعا رد نہیں ہوتی، قبول ہوتی ہے۔

۵:- اگر عقیدت مضبوط ہو تو اللہ رب العزت تبرکات مقربین کی حفاظت فرماتے ہیں۔اور اگر اصل وارثوں سے چھن جائے تو پھر واپس بحفاظت اصل وارثوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

۶:- اگر ان تبرکات کی کوئی بے ادبی کرے یا کوئی گستاخی کرے تو اسے

عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ معنیٰ یہ ہوا کہ بوسیلہ تبرکات انبیاء و اولیاء و بزرگان دین دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور اگر کوئی بے ادبی و گستاخی کرے تو موجب عذاب ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں ایسے دیگر بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت یوسفؑ کا واقعہ مشہور ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی جب غلہ کے لئے مصر آئے تو حضرت یوسف کو انہوں نے خبر دی کہ یعقوبؑ اپنے بیٹے کے غم میں روتے رہتے ہیں۔ جسکی وجہ سے ان کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی ہے۔ اس پر یوسفؑ نے اپنے بھائی سے فرمایا جسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں نقل کر کے تبرکات کے وسیلہ سے مستفید ہونے کی سند مہیا کر دی ہے۔ اس بات کا انکار قرآن کا انکار ہے۔ اور قرآن کریم کے ایک حرف کا انکار بہت بڑے مواحد مومن کو ایمان سے تہی دامن کر دیتا ہے۔

قرآن کریم بایں الفاظ شاہد رناطق ہے۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِىْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِىْ يَاْتِ بَصِيْرًا

ترجمہ: لے جاؤ یہ میری قمیض اور میرے والد کے چہرے پر ڈال دو اس سے انکی بینائی واپس آجائے گی۔

جو قمیض یہاں پر صرف خبر ہے کہ جب قمیض چہرے پر ڈالو گے تو بصارت واپس آجائے گی۔ اس سے اگلی آیات میں مزید قرآن میں یہ بیان فرمایا گیا ہے۔

۳۔ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا

۴۔ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ

ترجمہ: پس آ پہنچا خوشخبری سنانے والا اور اس نے پیراہن یوسفؑ آپ کے چہرے پر ڈالا تو فوراً وہ بینا ہو گئے (یعنی بینائی واپس آ گئی)۔ اب واقعہ یوں ہو جسے تفسیر روح المعانی اور تفسیر مظہری میں نقل کیا گیا ہے کہ یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو اپنا کرتہ اتار کر جو پہنا ہوا تھا دیا اور کہا کہ یہ میرا کرتہ لے جاؤ اسے میرے والد محترم حضرت یعقوبؑ کے چہرہ مبارک پر ڈال دینا۔ اس قمیض کے چہرہ پر ڈالنے سے بینائی واپس لوٹ آئے گی۔ وہ انکھیارے ہو جائیں گے۔

ادھر مصر سے یوسفؑ کے بھائی قمیض لیکر چلتے ہیں ادھر دوسری طرف کنعان میں حضرت یعقوبؑ اپنی بہو بیٹیوں کو خبر دے رہے ہیں کہ مجھے یوسفؑ کی خوشبو آ رہی ہے۔

قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ

یوسف ان کے والد نے کہا کہ میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے روایت فرمایا۔ جسے حضرت ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر مظہری میں نقل فرمایا کہ ابھی قافلہ آٹھ دن کی مسافت پر تھا کہ حضرت یعقوبؑ نے یوسفؑ کی خوشبو کی خبر دی۔

جب قافلہ پہنچا تو باہمی فیصلہ ہوا کہ ایک قاصد آگے روانہ کیا جائے تاکہ آپ کو جلد خوشخبری مل سکے۔ ان بھائیوں میں ایک کو قمیض دیکر آگے روانہ کر دیا گیا۔ اس نے پہنچ کر حضرت یوسفؑ کے مطابق قمیض ان کے چہرے پر ڈال دی۔ بس قمیض چہرہ پر رکھنے کی دیر تھی کہ بینائی فوراً واپس آ گئی۔

بعض ظاہر پسند اور ظاہر پرست حضرات کو ایک پریشانی اور الجھن لاحق ہو جاتی ہے۔ کہ قمیض کا کیا تعلق بینائی سے۔ اگر یہ بات کسی حدیث میں ہوتی یا روایت میں ہوتی تو بیک جنبش قلم رد کر دیتے اس روایت کو ضعیف کہ کر انکار کا حیلہ بہانہ نکال لیتے مگر یہ بات تو رب کائنات نے قرآن کریم مین بیان فرما دی تاکہ کسی کج فہم کو انکار کی گنجائش نہ رہے۔ اور بعض دل کے روگیوں نے تاویل اسطرح بھی کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسمیں نہ تو قمیض کا

کوئی تعلق ہے۔ اور نہ ہی قمیض سے بینائی واپس آتی ہے۔ اور نہ ہی وہ نابینا ہوئے تھے۔ وہ صرف زیادہ رونے کی وجہ سے ضعیف بصر ہو گیا تھا جو فرزند ارجمند کے بازیابی کی خبر سنی تو مسرت سے خون نے جوش مارا اور اس سے ان کی بینائی واپس آ گئی۔

ان عقل کے اندھوں اور دل کے روگیوں سے پوچھا جائے کہ اگر خون کے جوش مارنے سے بینائی واپس آئی تھی تو پھر قرآن کریم میں اتنا لمبا واقعہ بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

قارئین اکرام بات صرف ترجمہ کی نہیں ان کے دل کسی نبی کی عظمت برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ اللہ تبارک تعالیٰ ان دل کے مریضوں کو عقل کے اندھوں کو شفائے کاملہ نصیب فرمائے۔ یہ مرض دور ہو سکتا ہے اگر مریض دل سے بغض کی آگ نبی کی عظمت کے پانی سے بجھا دیں اور محبت کی نگاہ سے قرآن کریم کا مطالعہ کریں تو پھر ہر ہر حرف سے شان و عظمت انبیاء والمرسلین نظر آئے گی۔

(اب اس واقعہ پر تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔)

ا:- یہ قمیض کپڑے کی بنی ہوئی تھی۔ جولاہے نے صرف اسی قدر خاص کپڑا نہیں بنا ہوگا۔ قمیض کا کپڑا کسی کپڑے کے تھان سے کاٹا گیا

ہوگا۔ کیا شفایاب کرنا کپڑے کی خاصیت تھی؟ اگر کپڑے کی خاصیت ہوتی تو پھر پورے شہر میں ہی یہ خاصیت پیدا ہو جاتی۔

۲:- اگر کپڑا بننے والے جولاہے کے ہاتھ میں خاصیت ہوتی تو پھر اسکے بنے ہوئے سارے کپڑوں میں شفاء ہوتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔

۳:- قرآن کریم نہ کپڑے کی تعریف بیان کر رہا ہے نہ کپڑا بننے والے جولاہے کی صفت بیان کی ہے۔ فقط اور فقط اس قمیض کی بات ہے۔ اگرچہ یہ قمیض بھی کپڑے ہی کی بنی ہوئی تھی۔ اس میں آنکھوں کی بینائی واپس لوٹانے والی صفت کیسے آئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کپڑے کی بنی ہوئی قمیض بدن یوسفؑ سے لگ گئی تھی۔ اس قمیض کو لمس یوسفؑ حاصل تھا۔ اس قمیض میں حضرت یوسفؑ کا پسینہ مبارک جذب ہوا تھا۔ تو اللہ رب العزت نے اسے شفاء آور بنا دیا۔

۴:- پھر حضرت یوسفؑ نے اپنی پہنی ہوئی قمیض اتار کر بھیجی اور جن کو بھیجی وہ بھی نبی اور بھیجنے والے بھی نبی مگر دونوں کا عقیدہ ایک ہی ہے۔ عقیدہ یہ ہے کہ جب اس بازاری کپڑے کی بنی ہوئی قمیض کسی بزرگ اللہ والے برگزیدہ بندے کے جسم سے لگ جائے تو پھر عام نہیں رہتی۔ یہ خاص بن جاتی ہے۔ اور اسمیں صحت یاب کرنے کی صفت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت یعقوبؑ کی بینائی

قمیض آنکھوں پر رکھتے ہی لوٹ آئی اور وہ انکھیارے ہو گئے۔ یہ

سب برکت تھی لمس بدن یوسفؑ کی۔

۵:- اس آیہ کریمہ سے یہ مسئلہ بھی استنباط ہوتا ہے۔ کہ بزرگان دین اولیاء امت اور مقربین اللہ ورسول اللہ کے استعمال کی چیزوں سے برکات حاصل ہوتی ہیں۔ ان کے توسل ووسیلہ سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ جس چیز کی بھی نسبت ان بزرگوں سے ہو جائے وہ ہی بطور وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کر کے حاجات طلب کی جاسکتی ہیں۔

قرآن کریم سے ابھی صرف یہ دو مثالیں پیش کی گئی ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات مل سکتی ہیں۔ مگر اس کتاب میں اتنی وسعت نہیں کہ سب بیان کی جاسکیں۔ اگر دل و دماغ کو شفاف کر کے بغض و کینہ فتنہ پروری سے بالاتر ہو کر غور کریں تو ہدایت کے لئے یہ دو ہی مثالیں مشعل راہ بن سکتی ہیں۔ قرآن استدلال میں یہ ایک بڑی اہم دلیل ہے۔

حضرت زکریاؑ کا حضرت مریم کی عبادت گاہ کا وسیلہ بنانا۔ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۳۷ میں ارشاد ربانی ہوتا ہے۔

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ

ترجمہ: حضرت مریمؑ کی نگہبانی حضرت زکریاؑ کے سپرد کر دی اور جب زکریاؑ حضرت مریم کے پاس آتے وہ اس کے پاس (نئی نئی) کھانے کی چیزیں پاتے انہوں نے پوچھا یہ تمہارے پاس کہاں سے آئی ہیں تو اس نے کہا کہ یہ رزق اللہ کے پاس سے آتا ہے۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔ اس آیہ کریمہ سے اگلی آیت ظاہر کر رہی ہے کہ حضرت زکریاؑ کے دل میں اس محراب میں (جو کہ حضرت مریمؑ کی عبادت گاہ تھی) کھڑے ہو کر اپنے رب کے حضور اس مقام کا وسیلہ پیش کر کے دعا کرنے کا خیال آیا۔ جسے قرآن ان الفاظ میں بیان فرما رہا ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ

ترجمہ: اسی جگہ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی میرے مولا مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔ اس مقام پر دعا کرنے کی دیر تھی کہ قبولیت فوری ہوتی ہے۔ جسے قرآن کریم ان الفاظ میں بیان فرما رہا ہے۔

فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ۔

ترجمہ: حضرت زکریاؑ ابھی محراب میں ہی تھے کہ فرشتوں نے آواز دی کہ بے شک اللہ آپ کو (فرزند) جسکا نام یحیٰؑ کی بشارت دیتا ہے۔ اب سارے واقعہ پر ذرا غور فرمائیں۔

۱:- کیا حضرت زکریاؑ نے پہلے کبھی اپنے رب کے حضور اولاد کے لئے دعا نہ کی ہوگی؟۔

۲:- حضرت زکریاؑ کی دعا رب کے حضور کیونکر قبول ہوگئی؟۔

اسکا جواب قرآن کریم سے اس مذکورہ آیہ کریمہ میں دے دیا ہے۔ زکریاؑ اللہ کے نبی ہیں۔ ضرور دعا کی ہوگی کئی بار کی ہوگی مگر یہاں پر اللہ کی کرم نوازیاں جو حضرت مریم پر ہوتی تھیں دیکھ کر دل مچل اٹھا کہ مریم اللہ کی مقبول و محبوب بندی ہے۔ بڑی عبادت گزار ہے۔ تو ان کی عبادت گاہ کو وسیلہ بنا کر اس مقام پر کھڑے عنایات الٰہیہ کا تصور ذہن میں لا کر دعاؑ کی تو رب کریم بتوسل عبادت گاہ مریم دعا کو فوری شرف قبولیت ہی نہیں بخشا بلکہ فوری طور پر بیٹے کی بشارت بھی دے دی۔

اس قرآنی واقعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بزرگان دین کی خانقاہوں پر دعا کرنے سے دعائیں رد نہیں ہوتیں بلکہ

بوسیلہ ان مقربین اللہ رب العزت دعاؤں کو شرف قبولیت بخش دیتا ہے۔ یہ عمل عین جائز درست اور قرآن کریم سے ثابت سنت انبیاء ہے۔

اب ہم اپنے آقا و مولا ملجی و ماوٰی ذات مصطفیٰ ﷺ کی سیرت طیبہ کے حوالہ سے اسی اپنے مؤقف کو واضح کرتے ہیں۔ تاکہ عظمت مصطفیٰ شان مصطفیٰ ﷺ دلوں پر ظاہر ہو اور عقیدہ اصحاب رسول اللہ ﷺ سے واضح ہو جائے کہ یہ مقدس ہستیاں آثار مصطفیٰ ﷺ سے کسطرح اور کس انداز سے مستفید ہوا کرتی تھیں۔

حضور اکرم ﷺ کے جبہ مبارک سے توسل

ا:- عَنْ عَبْدَ اللهِ مَوْلٰی اَسْمَآءِ بِنْتِ اَبُوْبَکَرٍ اَنَّهَا خَرَجَتْ اِلَیَّ جُبَّةَ طَبَالِسَةَ کَسْرَوَانِيَةَ لَهَا لِبْنَةَ دِيْبَاجَ وَفَرْجِيْهَا مَکْفُوْفَيْنَ بِالدِيْبَاجَ فَقَالَتْ هٰذِهٖ کَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ حَتّٰی قُبِضَتْ فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا وَکَانَ النَّبِیُّ يَلْبِسُهَا فَنَحْنُ نُغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰی لِنَسْتَشْفِيَ بِهَا ه

ترجمہ: حضرت اسماء کے مولیٰ عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت اسماد بنت ابوبکرؓ نے کسررانی طیلسان کا جبہ نکالا جس کے گریبان اور چاکو پر ریشم کا کپڑا لگا ہوا تھا۔ کہنے لگیں یہ حضرت عائشہ کے پاس تھا جب وہ فوت ہو گئیں تو میں نے ان سے لے لیا کہ نبی کریم ﷺ اسے پہنا کرتے تھے ہم اسے دھو کر اسکا دھوون بیماروں کو پلاتے اور اس کے وسیلہ سے شفاء یاب ہو جاتے۔ (مسند احمد بن حنبل، سند ابوداؤد، ابن ماجہ)

یہ بھی بالکل اسی طرح ہے کہ یوسفؑ کے پیراہن میں صفت شفاء

بوسیلہ بدن یوسفؑ پیدا ہوگئی تھی جسے قرآن کریم نے بڑی صراحت سے بیان

فرمایا۔ بالکل اسی طرح پیراہن مصطفیٰ ﷺ میں بھی یہ خاصیت بدرجہ اتم

موجود تھی۔ یہی وجہ ہے سیدہ اسماء بنت ابوبکر فرماتی ہیں جو کوئی بیمار آتا

پریشان حال آتا ہم اس پیراہن مبارک کا دھونا پلاتے اور اللہ رب العزت

سے اس کا وسیلہ پیش کر کے دعا کرتے تو مریض شفاءیاب ہو جاتا۔

۲:- نعلین پاک مصطفیٰ ﷺ کی برکات:

امام قسطلانی اپنی کتاب المواہب الدنیا میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن

مسعودؓ نبی مکرم ﷺ کے خادمین میں سے تھے۔ آپ ﷺ کی خدمت اقدس

میں تکیہ، مسواک اور وضو کے لئے پانی لیکر حاضر رہتے۔ جب آپ ﷺ قیام

فرماتے تو وہ آپ کو جوتے پہنا دیتے جب آپ تشریف فرماتے تو عبداللہ بن

مسعودؓ آپ کے نعلین پاک کو بغل میں دبا لیتے تھے۔ یہ اصحابی رسول ﷺ کی

عقیدت کا اظہار عظمت نعلین مصطفیٰ ﷺ کے توسل سے کرتے ہیں۔

امام قسطلانی مزید لکھتے ہیں کہ شیخ ابو جعفر بن عبدالمجید بیان کرتے

ہیں کہ میں نے نقش نعلعین پاک اپنے ایک طالب علم کو دیا۔ ایک دن وہ

میرے پاس آیا کہنے لگا۔ کل میں نے نعلین پاک کی عجیب برکت دیکھی

ہے۔ میری بیوی شدید درد کی وجہ سے تڑپ رہی تھی۔ میں نے وہی نقش پاک کو درد کی جگہ پر رکھا تو بوسیلہ نعلین مصطفی ﷺ میری بیوی صحت یاب ہو گئی (المواہب)۔

نعلین پاک کی جب بات ہو رہی ہے تو اس نسبت سے کچھ لکھنے والے وہ حضرات جن کے پیروکاران باتوں کو فضول سمجھتے ہیں۔ کچھ ان کے حوالہ سے بھی بات ہو جائے تو ممکن ہے ایسے لوگ نعلین پاک کی تعظیم کر کے اپنے ایمان کی بقا حاصل کر سکیں۔

علماء دیوبند میں سے درج ذیل علماء نے کتابیں اور رسالے تحریر کئے ہیں۔

۱:- مولانا شہاب الدین احمد مقرمی نے فتح المتعال فی مدح النعال نامی کتاب لکھی ہے۔

۲:- مولانا اشرف علی تھانوی نے نیل الشفاء بنعال المصطفی ﷺ نامی رسالہ لکھا ہے۔ جو کہ ان کی کتاب زاد السعید میں پایا جاتا ہے۔

۳:- مولانا محمد زکریا سہارنپوری لکھتے ہیں کہ نعل شریف کے برکات و فضائل مولانا اشرف علی تھانوی کے رسالہ زاد السعید کے اخیر میں مفصل مذکور ہے۔ جس کو تفصیل مقصود ہو اس کو دیکھ سکتا ہے۔ اس کے خواص بے انتہا ہیں، مختلف لوگوں نے بار بار تجربے کئے اسے اپنے پاس رکھنے اور اس کے تعظیم کرنے سے سرور کائنات ﷺ کی

زیارت ہوتی ہے، ظالموں سے نجات حاصل ہوتی ہے ہر دلعزیزی میسر ہوتی ہے۔ غرض ہر مقصد میں اس کے توسل سے کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ اور اسی کتاب میں طریق توسیل بھی مذکور ہے۔ (بحوالہ شمائل ال ترمذی مع درود شرح خصائیل نبوی) گویا کہ ذکریا کاندھلوی صاحب نے لکھا ہے کہ اشرف علی تھانوی کی کتاب زاد السعید میں طریقہ توسل بھی لکھا ہے۔ کہ نعلین پاک سے توسل کیسے کرنا ہے۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علماء متقدمین دیوبند تو نعلین پاک مصطفیٰ ﷺ سے توسل کا طریقہ تحریر کریں تا کہ لوگ اس سے استفادہ حاصل کرسکیں۔ مگر آج کے دیوبندی جن کو اپنے بڑوں کے عمل و کردار کی بھی خبر نہیں وہ وسیلہ ذات مصطفیٰ ﷺ کو بھی شرک کہیں۔ کیسی عجیب تقلید ہے۔ اور اپنے بڑوں کے عقائد کی مخالفت کر کے واضح کر رہے ہیں کہ ایمان نام کی چیز سے ہی نابلد ہیں۔ اللہ رب العزت ایسے نافرمانوں کو ہدایت نصیب فرمائے تا کہ برکات نعلین پاک ﷺ یہ بھی حاصل کرسکیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت مجدد دین و ملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلویؒ نے تو اپنی محبت و عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں کر کے ملت اسلامیہ کے لئے بہت بڑا اسبق چھوڑا ہے۔

سر پہ رکھنے کو جو مل جائے نعل پاک حضور ﷺ
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

۳:- نبی پاک رؤف الرحیم ﷺ کے موئے مبارک سے برکات و توسل۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ حج کے موقع پر قربانی سے فارغ ہوئے تو۔

نَاوِلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْاَیْمَنَ فَحَلَقَهٗ ثُمَّ دَعَا اَبَا طَلْحَهَ الْاَنْصَارِیْ فَاَعْطَاهُ اِیَّاهُ ثُمَّ نَاوِلَهُ الشِّقَ الْاَیْسَرَ فَقَالَ اَحْلِقْ فَحَلَقَهٗ فَاَعْطَاهُ اَبَا طَلْحَهَ. فَقَالَ اَقْسِمْهُ بَیْنَ النَّاسِ ۝

ترجمہ: آپ ﷺ نے سر انور کا دائیاں حصہ حجام کے سامنے کر دیا۔ حجام نے بال مبارک مونڈھ دیئے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت طلحہؓ کو بلایا اور وہ بال ان کو دیئے اس کے بعد حجام کے سامنے سر مبارک کی دوسری جانب کر دی۔ اس نے یہ بھی مونڈھ دیئے اور پھر آپ ﷺ نے حضرت طلحہ کو بلایا اور بال مبارک اسے دے دیئے اور فرمایا یہ بال لوگوں میں تقسیم کر دو۔ (مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن الکبری، البیہقی)۔

اس حدیث پاک سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ نبی پاک ﷺ نے اپنے آثار مبارکہ کی تعظیم ان سے برکات کا حصول خود اپنے اصحاب کو تعلیم فرما

رہے ہیں۔ اگر ان بال مبارکہ میں کوئی برکات وخواص نہیں تھے تو پھر خود آقا نے ان کی تقسیم کا حکم کیوں دیا۔ پھر تمام جلیل القدر اصحابہ وہاں موجود تھے۔ کسی ایک نے بھی زبان اعتراض نہیں کھولی۔ بلکہ موئے مبارک حاصل کر کے اپنے نصیبے پر نازاں ہوتے ہیں۔ اور دنیا و فیہا سے اس حصول کو بہتر جانتے ہیں۔

اب یہ دیکھنا ہے ان شمع رسالت کے پروانوں نے جو یہ بال مبارک حاصل کئے ان کا استعمال کیسے کیا، ان سے کیا برکات حاصل کرتے رہے ہیں۔ اور ان کا انداز توسل کیا تھا۔

۱:- ثابت البنانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے فرمایا۔

هٰذَا شَعْرَةٌ مِنْ شَعْرِ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهَا تَحْتَ لِسَانِیْ قَالَ فَوَضَعْتُهَا تَحْتَ لِسَانِیْ فَدَفَنَ وَهِیَ تَحْتَ لِسَانُهٗ ٥

ترجمہ: یہ بال رسول اللہ ﷺ کے بالوں میں سے ہیں۔ پس انہیں میری زبان کے نیچے رکھ دینا وہ کہتے ہیں میں نے یہ بال آپ (حضرت انسؓ) کی زبان کے نیچے رکھ دیئے اور انہیں اس حال میں دفن کیا کہ بال مبارک ان کی زبان کے نیچے تھے اور حضرت انسؓ کا اس

میں یہ عقیدہ تھا کہ اس موئے مبارک کے وسیلہ سے حساب قبر اور محشر میں آسانی پیدا ہوگی۔

۲:- علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القادری فی شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔ حضرت ام سلمیٰؓ کے پاس موئے مبارک تھا وہ انہوں نے ایک چاندی کی نلی میں رکھ کر لکڑی کے ڈبیہ میں محفوظ رکھا ہوا تھا۔ جب کوئی مریض ان کے پاس آتا تو وہ لکڑی کی ڈبیہ سے چاندی کی نلی نکالتی اور پانی میں گھما کر مریض کو پلا دیتی مریض شفاء یاب ہو جاتا یہ شفاء بوسیلہ موئے مبارک ظاہر ہوتی۔

۳:- حضرت عبد اللہ بن انیسؓ کو عرفہ میں خالد بن سفیان بیخ ہذلی کے قتل کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت عبد اللہ نے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر لیکر ایک غار میں داخل ہو گئے۔ اس غار کے دھانے پر مکڑی نے جالا بن دیا۔ دشمن جو تعاقب کر رہے تھے مایوس ہو کر واپس لوٹ گئے۔ حضرت عبد اللہ اٹھارہ دن بعد غار سے نکل کر بارگاہ رسالت حاضر ہوئے اور خالد کا سر سامنے رکھ کر سارا قصہ سنایا۔ حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک میں ایک عصا تھا۔ آپ نے حضرت عبد اللہ کو عطا فرمایا اور فرمایا جنت [illegible] اس پر

ٹیک لگانا۔ وہ عصا حضرت عبد اللہ کے پاس رہا۔ اور جب وفات کا وقت قریب آیا تو وصیت فرمائی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

:۴- حضرت خالد بن ولید قریشی مخزومیؓ کی ٹوپی جنگ یرموک میں گم ہو گئی۔ انہوں نے کہا کہ میری ٹوپی کو تلاش کرو۔ تلاش کرتے کرتے آخر مل ہی گئی۔ تو لوگوں نے اس کے تلاش کا سبب پوچھا تو فرمایا اس ٹوپی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشانی مبارک کے بال مبارک سی رکھے ہیں۔ جس لڑائی میں یہ ٹوپی میرے ساتھ ہو مجھے فتح نصیب ہوتی ہے۔ میری تمام فتوحات کا راز یہ ٹوپی ہے۔ (طبقات ابن سعد) تمام فتوحات بوسیلہ موئے مبارک جو ٹوپی میں سی رکھے تھے۔

:۵- حضرت عمر بن عبد العزیز کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال مبارک اور ناخن مبارک منگوائے اور وصیت کی انہیں میرے کفن میں رکھ دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

:۶- حضرت سہل بن سعد روایت کرتے ہیں۔ ایک عورت ایک چادر لے کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آئی عرض کیا حضور یہ چادر میں نے آپ کے لئے اپنے ہاتھوں سے بنی ہے۔ آپ کو چادر کی

ضرورت تھی، قبول فرمالی۔ پھر آپ بطور تہبند باندھ کر ہماری طرف نکلے، اصحابہ میں سے ایک نے عرض کر دیا۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا اچھی چادر آپ مجھے پہنا دیں۔ آپ نے فرمایا ہاں کچھ دیر کے بعد مجلس سے اٹھے اور چادر لپیٹ کر اس سائل اصحابی کو دے دی۔ اصحابہ اکرام نے اس اصحابی سے کہا تجھے معلوم تھا کہ حضور کسی کا سوال رد نہیں کرتے۔ اس اصحابی نے جواب دیا خدا کی قسم میں نے صرف اس واسطے سوال کیا کہ میرے مرنے پر یہ میرا کفن بنے۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ چادر ہی اس کا کفن بنی۔ (صحیح بخاری شریف) عقیدہ صحابی یہ ہے کہ مصطفیٰ کریم ﷺ کے جسم سے لگے ہوئے کپڑے میری آخرت میں نجات ہوگی یہ بھی وسیلہ لمس جسم مصطفیٰ ﷺ ہے۔

۷:۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف مدرج النبوۃ جلد دوم میں نقل فرماتے ہیں کہ، حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس رسول اللہ ﷺ کے کچھ تبرکات موجود تھے۔ جو انہوں نے ایک کمرے میں محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ ابن عمر جو بھی کوئی زائر آتا تو وہ انہیں ان تبرکات کی زیارت کرواتے۔ ان میں ایک لحاف بھی تھا جس میں حضور ﷺ آرام فرمایا کرتے تھے۔ لحاف میں حضور

کے سر مبارک رکھنے کا نشان موجود تھا۔ جب کوئی مریض ان کے پاس آتا تو وہ لحاف مبارک کا غالہ (دھون) پلاتے مریض فوراً شفا یاب ہو جاتا۔

ایسے واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اب آخر میں ایک بڑا دلچسپ واقعہ لکھ کر قارئین کو محظوظ و مسرور کرتے ہیں۔

دمشق میں سلطنت روما کے خلاف اسلامی لشکر نبرد آزما رہا تھا جسکی قیادت حضرت خالد بن ولیدؓ کر رہے تھے۔ یہ معرکہ بڑے زوروں پر تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو مزید کمک کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ دشمن تعداد میں کہیں زیادہ تھے۔

والی امت نگہبان امت پاسبان ملت سرور کائنات

فخر موجودات وجہ تخلیق کائنات حبیب رب العالمین جناب رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو نیند میں حکم ارشاد فرمایا۔ اے ابن جراح خالد بن ولید کو دشمنوں نے گھیر لیا ہے۔ تم فوراً اپنی کمان میں سپاہی لیکر وہاں پہنچو، انشاء اللہ العزیز فتح تمہاری ہوگی۔ حضرت ابو عبیدہؓ ایک صد سپاہ سواروں کا لشکر اپنی زیر کمان لیکر قینسرین روانہ ہو جاتے ہیں۔ گھوڑے ایسے دوڑ رہے تھے جیسے ہوا میں اڑ رہے ہوں۔ کمانڈر ابو عبیدہ سب سے آگے جا

رہے تھے۔اچانک دیکھتے ہیں ایک بڑا ماہر گھوڑ سوار ان سے کافی آگے بڑی

برق رفتاری سے جا رہا ہے۔انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس گھوڑ

سوار سے جاملو۔ دیکھو کہ کون جا رہا ہے۔باوجود گھوڑوں کو تیز دوڑانے کے

کوئی بھی اس سوار کو نہ پہنچ سکا۔وہ سوار مقام معرکہ میں پہنچ گیا۔میدان جنگ

میں دشمن کو صفوں کو چیرتا ہوا اسلامی لشکر کے سپہ سالار تک پہنچ گیا۔وہ دشمنوں

میں گھرے ہوئے بھی بڑی جوانمردی سے لڑ رہے تھے۔انہوں نے اس سوار

کو دیکھا کہ رومیوں کی صفیں چیرتا ہوا میرے پاس پہنچا ہے۔پوچھا جوان تو

کون ہے؟ جب اس جوان نے چہرے سے نقاب ہٹایا تو سب لوگ دھنگ

رہ گئے۔کہ یہ کوئی لشکر کا سپاہی نہ تھا نہ کوئی قاصد تھا، بلکہ یہ تو حضرت خالد بن

ولیدؓ کی وفادار زوجہ ام تمیم تھیں۔جو اپنے شوہر عزیز کو ان وہ ٹوپی (جس میں

سرور کونین ﷺ کے موئے مبارک سی رکھے تھے) دینے آئی تھیں۔کہ

حضرت خالد بن ولیدؓ رخصت سے پہلے ٹوپی گھر بھول آئے تھے۔حضرت

خالد بن ولیدؓ اس ٹوپی میں سیے ہوئے موئے مبارک ہی کی بدولت انہی بال

مبارک کے وسیلہ جلیلہ سے ہر معرکہ میں کامیاب و فتح یاب ہوا کرتے تھے۔

بس ٹوپی سر پر رکھنے کی دیر تھی کہ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔دشمن الٹے پاؤں

بھاگ گیا۔لشکر اسلام فتح یاب ہوا یہ واقع علامہ واقدی کی کتاب فتوح الشام

سے لیا گیا ہے۔

اب چند نقاط جو عقیدے کو مضبوط بنا دیں پیش خدمت ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

ا:- اس واقعہ کے آغاز میں آپ نے پڑھا کہ نبی پاک رؤف الرحیم ﷺ نے حضرت عبیدہ کو حکم صادر فرمایا اور یہ واقعہ رونما ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں گویا کہ آقا کریم کا وصال ہو چکا تھا۔ معلوم ہوا کہ آقا برزخ میں رہ کر بھی امت کے اعمال و افعال کی خبر رکھتے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ اصحابی رسول ہیں۔ اور امت میں ان کا بڑا درجہ ہے۔ انہوں نے خواب سمجھ کر چھوڑ نہیں دیا بلکہ حقیقتاً حکم سمجھ کر عمل پیرا ہوئے امت کی ضروریات کو جانتے ہیں۔ آقا جب چاہیں جسے چاہیں جسکی چاہیں مدد فرما سکتے ہیں اس سے مسئلہ حیات النبی، مسئلہ علم غیب، استمداد حاضر ناظر گویا کہ عقیدہ کا ہر اختلافی مسئلہ حل ہوتا نظر آتا ہے۔ بشرطیکہ دل بغض سے خالی ہو۔

۲:- اصحابہ اکرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ عقیدہ تھا کہ آقا کریم کے تبرکات و آثار وسیلہ ظفر۔ وسیلہ نجات وسیلہ بخشش، وسیلہ

تلے لیکر قبر میں وسیلہ نجات سمجھتا ہے، کوئی موئے مبارک کو ٹوپی میں سی کر وسیلہ ظفر خیال کرتا ہے۔

اور کوئی جبہ مبارک سے دھون لیکر وسیلہ شفاء حاصل کر رہا ہے۔ کوئی ناخن مبارک کو اور کوئی عصا مبارک کو قبر میں ساتھ لیجانے کی وصیت فرما رہا ہے۔ کہ آخرت میں عذاب قبر اور حساب قبر سے نجات کا باعث ہیں، کوئی نقش نعلین پاک سے شفاء حاصل کر رہا ہے۔

عزیزان گرامی یہ سب عمل کرنے والے حضرات اصحابہ اکرام ہیں، اور ان کے واقعات لکھنے والے لوگ بھی وقت کے امام ہیں۔ گویا کہ ہم امت کے ان بزرگوں کا زکر کر رہے ہیں جن کی زندگیاں پوری امت کے لئے مشعل راہ ہیں۔

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ان لوگوں کا ساتھ دیں وہ عقیدہ اختیار کریں، جن کی مطابقت ایسے بزرگوں سے ہوتی ہے جو عقیدے کی تائید عقیدہ اصحابہ سے ہوتی ہے۔ آئمہ مجتہدین سے ہوتی ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ آج بھی انہی پاک ہستیوں کے عقیدے کا آئینہ دار ہے، اللہ رب العزت سے ملتجی ہوں کے اس کتاب کے مطالعہ سادہ لوح مسلمانوں کو (جنہیں طرح طرح سے ورغلایا جاتا ہے) شکوک وشبہات سے پاک عقیدہ عطا فرمائے اور ہمیں اس پر استقامت نصیب فرمائے۔

آمین ثم آمین۔

توسل بالاولیائے امت

اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکامات پر عملدر آمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری ایک مخلص مومن مسلمان کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں مقبول ومحبوب بنادیتی ہے۔ اور وہ شخص مقام ومرتبہ کے لحاظ سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اور رحمت خداوندی اسے اپنے آغوش میں لے لیتی ہے۔ اور مخلوق کی نظر میں وہ شخصیت منظور ومحبوب بن جاتی ہے۔ پھر دنیا اسے اللہ کا دوست اللہ والا اللہ کا ولی کہنا شروع کردیتی ہے۔ جسطرح کہ سرورکونین امام قبلتین وسیلتنا فی الدارین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جسے حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا اور امام اسماعیل بخاریؒ نے صحیح بخاری شریف میں نقل فرمایا۔

حدیث پاک:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ اَنَادٰی جِبْرِیْلُ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهُ فَیُحِبُّهُ جِبْرِیْلُ فَیُنَادِیْ جِبْرِیْلُ فِیْ اَهْلِ السَّمَآءِ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَیُحِبُّهُ اَهْلَ السَّمَآءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ ۝

حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے۔ حضرت جبریل کو بلاتا ہے۔ کہ اللہ تعالی فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے۔ لہذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس جبریل اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر جبرائیل آسمانوں میں ندا لگاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے لہذا تم بھی اس سے محبت کرو، پس آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر زمین والوں کے دل میں اسکی مقبولیت رکھ دی ایک بندہ مومن ایسے ہی مقرب نہیں بن جاتا۔ اسے اپنے نفس کو قابو رکھ کر بارگاہ رب العزت میں سر بسجود رہنا پڑتا ہے۔ وہ شخصیت پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کی خوگر بن جاتی ہے۔ جسکے مارے میں خود خدا بزبان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قرب کا اسقدر اظہار فرما رہا ہے۔

حدیث قدسی: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ ؛ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمْ
اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ
وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ
عَلَیْهِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ
فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ
الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ
یَمْشِیْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ ۔ وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِیْ
لَاُعِیْذَنَّهٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِیْ
عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَكْرَهُ الْمَوْتَ وَاِنَّا اَكْرَهُ مَسَاءَتَهٗ

(بخاری، البیہقی فی السنن، ابن حبان فی الصحیح)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جو میرے ولی سے دشمنی رکھے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ اور میرا بندہ ایسی کسی چیز کے ذریعے میرا قرب نہیں پاتا جو مجھے فرائض سے زیادہ محبوب ہو۔ اور میرا بندہ نفلی عبادت کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اسکے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ میں اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور پھر میرے قدرت کے پاؤں سے وہ چلتا ہے۔

اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے۔ تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں۔ اگر میری پناہ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں۔ میں نے جو کام کرنا ہوتا ہے۔ میں اسمیں کبھی تردد نہیں ہوتا جسطرح بندہ مومن کی جان لینے میں ہوتا ہوں۔ اسے موت پسند نہیں مجھی اسکی تکلیف پسند نہیں۔ گویا کہ اس حدیث پاک میں اللہ رب العزت اپنے بندے کے فعل کو اپنا فعل قرار دے رہا ہے۔ کان بندے کا ہے مگر سنتا وہ اللہ کی قوت سماعت سے ہے۔ ہاتھ بندے کا

ہے مگر پکڑتا وہ اللہ کی قدرت کاملہ سے ہے۔ بندہ چلتا تو اپنے قدموں سے ہے مگر اس میں قدرت الٰہیٰ کی طاقت شامل ہوتی ہے۔ اسقدر تمام تر طاقتیں قوتیں اور اختیارات ہونے کے باوجود بھی وہ بندہ ہی ہوتا ہے۔

اور اس کے عطا کردہ اختیارات ہی سے تمام اعمال بروئے کارلاتا ہے۔ قادر مطلق اللہ ہی کی ذات ہے۔ اور اسکی عطا کردہ قدرت ہی سے بندہ اپنے عقیدتمندوں کی مدد کرتا ہے۔ ان کی حاجت روائی بھی ہوتی ہے۔ مگر اصل اور حقیقی حاجت روا ذات الٰہیہٰ کو ہی سمجھتا ہے۔ بالکل اسی طرح کہ انسان بیمار ہو جائے تو ڈاکٹر کے پاس بغرض علاج جاتا ہے۔ وہ دوا دے مریض شفاء یاب ہو جائے تو بھی ڈاکٹر کو کوئی بھی حقیقی شافی نہیں کہے گا۔ حقیقت میں شفاء دینے والی رب کریم ہی کی ذات ہے۔ جس نے اس دوا میں تاثیر شفاء پیدا فرما دی۔ تصور وسیلہ میں یہ تمام باتیں سمجھا دی گئے ہیں۔ اب مزید صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ جس ذات کو ہم وسیلہ بنا رہے ہیں۔ اسکا درجہ اسکے مراتب اور پہچان کیا ہے۔ اوپر والی دو حدیث مبارکہ سے ان شخصیات کے مراتب ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اب ایک حدیث پاک جس سے ان کی پہچان ہو سکے گی۔

آقا کریم ﷺ نے فرماتے ہوئے یہ بھی بتا دیا کہ ان لوگوں کا روز

محشر مقام کہاں ہوگا۔ یہ لوگ کیسے پہچانے جائیں گے۔ حدیث پاک ہے:

عَنْ عُمَرَ بْنِ خَطَّابٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ : قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَاُنَاسًا مَا ھُمْ بِأَنْبِیَاءَ وَلَا شُھَدَاءَ یَغْبِطُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّھَدَاءُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِمَکَانِھِمْ مِنَ اللّٰہِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! تُخْبِرُنَا مَنْ ھُمْ ؟ قَالَ ھُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰہِ عَلٰی غَیْرِ اَرْحَامٍ بَیْنَھُمْ وَلَا اَمْوَالٍ یَتَعَاطُوْنَھَا ۔ فَوَاللّٰہِ اِنَّ وُجُوْھَھُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّھُمْ لَعَلٰی نُوْرٍ لَا یَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَاءَ ھٰذِہٖ الْاٰیَۃَ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

(سورۃ یونس۔ ابوداؤد فی السنن، النسائی فی سنن الکبریٰ، البیہقی۔)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں۔ جو نہ تو انبیاء ہیں اور نہ ہی وہ شہدا۔ قیامت کے دن انبیاء اور شہدا ان پر رشک کریں گے۔ اصحابہ اکرام عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں ان کے بارے میں خبر دیں کہ وہ کون لوگ ہونگے۔ فرمایا وہ ایسے لوگ ہیں جن کی ایک دوسرے

سے محبت صرف اللہ کی خاطر ہوتی ہے۔ نہ کہ رشتہ داروں اور نہ مالی لین دین کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ان کے چہرے نور ہونگے اور وہ نور کے ممبروں پر ہونگے۔ انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا۔ جبکہ لوگ خوفزدہ ہونگے، انہیں کوئی غم نہیں ہوگا جبکہ لوگ غمزدہ ہونگے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔ خبردار بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف اور نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہونگے۔

اللہ کے نیک اور پاکساز بندوں کا زکر جو آقا نے ہمیں تعلیم فرمایا ہے۔ اس کا تذکرہ محض اسلئے کیا گیا ہے کہ جن ذوات کا ہم اپنے رب کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے عند اللہ کیا مراتب ہیں۔ یہی وجہ ہے رب ذوالجلال نے بھی ہمیں ایسے ہی لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد رب کریم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو۔ اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ یہ صرف ہمیں ہی حکم نہیں دیا جارہا بلکہ صالحین کے صحبت اور سنگت کے لئے تو انبیاء جو کہ خود ارشد و ہدایت کا منبہ ہوتے ہیں۔ وہ دعا

کرتے رہے ہیں ان کا ایسی دعائیں کرنا فقط امت کے لئے ہوتا ہے۔ اور وہ عمل امت کے لئے اپنے انبیاء اکرام کی سنت بن جاتا ہے۔ جیسے کہ سیدنا ابراہیمؑ اپنے رب کے حضور عرض کناں ہیں۔

رَبِّ ھَبْ لِیْ حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ○

اے میرے رب مجھے علم و عمل میں کمال عطا فرما اور اپنے نیک پاک بندوں میں شامل فرما۔

حضرت یوسفؑ اس انداز سے اپنے رب جلیل سے ملتجی ہیں۔

۲:- تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ○

مجھے حالت اسلام پر موت دے اور مجھے اپنے صالحین سے ملا دے۔

احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو لوگ ضعیف کہہ کر انکار کی گنجائش نکال لیتے ہیں مگر قرآن کریم کا تو کوئی حرف بھی ضعیف نہیں ہوسکتا پھر بات ہی بڑی سیدھی سادھی کہی گئی ہے۔ اپنے انبیاء کے زبانوں سے یہ الفاظ نکلوا کر اور پھر ان الفاظ کو قرآن میں شامل کر کے ہمارے سنت انبیاء کی

بہت بڑی سند بنا دی ہے۔ معیت صالحین صحبت صلحا اختیار کرنا سنت انبیاء بن گئی ہے۔ صحبت اختیار کرنے کا مقصد ہی وسیلہ ہوتا ہے۔ ان بزرگوں کی صحبت وسیلہ کی بہترین شکل ہے۔ کہ ان کی سنگت وصحبت میں اعمال کا رخ نیکیوں کی طرف رہتا ہے۔ انسان برائیوں سے بچ جاتا ہے۔ اسکی وجہ صرف یہ ہی ہے جو قرآن نے بیان فرمادی۔ کہ جو ان کی صحبت میں ان کی معیت میں آجائے گا وہ شیطان کے حملے سے بچ جائے گا۔ واقعہ تو پہلے بھی بیان ہو چکا ہے، ہوسکتا ہے کتاب کے اوائل مین پڑھا گیا ذہن میں نہ رہا ہو۔

پھر دوہرا دیتے ہیں۔ ہوا یوں کہ جب اللہ رب العزت نے سیدنا آدمؑ کو تخلیق فرمایا اور تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ میر اس شاہکار کو سجدہ کرو تمام کے تمام فرشتے بلا تامل جھک گئے سجدے میں گر گئے۔ مگر ان میں ایک توحید پرست تھا۔ وہ بزعم خویش بہت بڑا مواحد تھا مگر اپنی اسی توحید پرستی میں اللہ کے حکم کی نافرمانی کر بیٹھا اور اللہ کے برگذیدہ نبی و بندے کی بے ادبی کر بیٹھا ۔ایسی توحید قابل قبول نہیں ہوتی۔ اللہ رب العزت نے وہ اسکی توحید اور کی ہوئی عبادتیں اس کے منہ پر ماردیں۔ غضبناک انداز میں فرمایا

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝

نکل جاؤ میرے دربار سے تو لعنتی ہے۔ اب جاتے ہوئے جواب کیا دے رہا ہے۔ اس پر نادم و شرمندہ نہین کہ مجھے تمام ملائکہ کے سامنے بے

عزت کر دیا گیا۔ مردود کر دیا گیا ہے۔ بلکہ متکبرانہ لہجے میں زبان درازی کرتا ہے۔ بولتا ہے

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ

میں تیرے ان سب بندوں کو اغواء کروں گا۔ تیری طرف نہیں آنے دونگا۔ اب یہاں رب ذوالجلال نے اپنی شان کے لائق ذرا گھور کے تکا ہوگا تو فوراً اپنی اصلاح کر لیتا ہے۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ

مگر تیرے مخلص بندے میرے حملے سے بچ جائیں گے۔ جب اللہ کے مخلص صادق متقین بندوں پر اس کا حملہ نا کارگر نہ ہوگا تو ان کی صحبت و معیت میں رہنے والے ان کا توسل اختیار کرنے والے بھی اس کے حملے سے بچ جائیں گے۔ بعض لوگ بزرگوں کی زندگی (حیات) مین تو ان کی دعاؤں کے قبول ہونے ان سے دعائیں کروا لینے کو تو درست اور جائز سمجھتے ہیں۔ مگر ان کے وصال کے بعد ان سے استفادہ کو شرک قرار دیتے ہیں۔ ایسا عقیدہ سراسر غلط اور گمراہی ہے۔ اصل صورتحال اسکے برعکس ہے۔ یہ سوچ اور ایسا اعتقاد تب پیدا ہوتا ہے جب کوئی بزرگوں کو اللہ کے مقابل لا کھڑا کرتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایسا عمل کرتا ہوگا۔ بزرگ خواہ کتنا بھی

عظیم کیوں نہ ہو جائے ، وہ بندہ ہی رہے گا۔ وہ عبد ہی رہے گا۔ معبود فقط خدائے وحدہ لاشریک ہے۔ بزرگوں کا وسیلہ ان کی حیات میں جائز اور درست ہے اور ان کے وصال کے بعد بھی جائز اور درست ہے ۔ ان بزرگوں کی حیات میں بھی اصل فیض رساں خدا کی ذات ہے۔ اور ان کے وصال کے بعد بھی اصل فیض رساں خدا کی ہی ذات ہے۔ یہ تو درمیان میں یعنی بندے اور رب کریم کے درمیان واسطہ ہیں، وسیلہ ہیں جو ہر دو صورتوں میں عین حق ہے۔ قطعاً غلط نہیں بلکہ یہ عمل کبار اصحابہ اکرام آئمہ مجتحدین محدثین اور شیوخ کی صفت رہا ہے۔ اور یہ وہ گروہ امت ہے جن کے دامن سے لپٹ کر شیطان کے حملہ سے بچا جاسکتا ہے۔ اور راہ حق اختیار کی جاسکتی ہے۔

امام ابن تیمیہ جو کہ حافظ ابن قیم الجوزی کے استاد محترم ہیں اپنی کتاب العقیدہ الواسطیہ کے آخر میں لب لباب کے طور پر لکھتے ہیں۔ اہل سنت و جماعت ہی ہر قسم کی آمیزش سے بچتے ہوئے دین اسلام کے ساتھ منسلک ہیں۔

هُمْ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَفِيهِمُ الصِّدِّيقُونَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحُونَ ٥

ان میں صدیقین، شہدا اور صالحین درجہ بدرجہ شامل ہیں۔ اور انہی میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو منبع ہدایت اور مینارہ نور ہیں۔ یہ بڑے زی مناقب اور اعلیٰ فضائل والے افراد ہیں۔

وَفِيهِمُ الْأَبْدَالُ وَفِيهِمْ أَئِمَّةُ الدِّينَ أَجْمَعُ الْمُسْلِمُونَ عَلَى هَدَايَتِهِمْ

اور ان میں ابدال آئمہ دین بھی ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے راستہ پر جمع کیا۔ یہی وہ گروہ ہے جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ میری امت کا ایک گروہ جسکی حق سے تائید کی گئی ہے۔ تا انعقاد قیامت کبھی ختم نہیں ہوگا۔ ان کی مخالفت یا تذلیل کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

یہ تبصرہ اولیائے امت پر حافظ ابن قیم کے استاد ابن تیمیہ کا ہے۔

گویا کہ یہ لوگ راہ ہدایت کے رہبر ہیں۔ حیات و ممات دونوں حالتوں میں ان سے متمسک رہنا نفع بخش ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ رب العزت بھی ایسے گروہ کے ساتھ محبت کرنے والوں کا نفع بیان فرما رہے ہیں۔ فرمایا جارہا ہے

الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝

سورہ زخرف)۔ تمام محبتیں تمام دوستیاں یوم حشر ایک دوسرے کی دشمنی میں تبدیل ہو جائیں گی مگر اولیائے اکرام (متقین) کی محبت وہاں بھی نفع بخش ہوگی۔ یہ صحبت وہاں بھی فائدہ دے گی۔

اولیائے اکرام ہوں نبی محتشم ہوں ان سے محبت تو ہر حال مین ہو سکتی ہے۔ وہ قریب ہوں یا دور وہ جہاں کہیں بھی ان سے بحر حال محبت ہو سکتی ہے۔ ایسی محبت کے بارے میں اللہ رب العزت نے بزبان مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کچھ اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔ حدیث قدسی ہے۔

وَجَبَتْ مُحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ

مؤطا امام مالک، مسند احمد بن حنبل، المستدراک للحاکم)

ترجمہ: میری محبت ان کے لئے واجب ہو چکی جو میری وجہ سے آپس میں محبت کرتے ہیں۔ جو میری وجہ سے آپس میں مل بیٹھتے ہیں۔ اور میری خاطر ایک دوسرے کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ اور میری خاطر مال خرچ کرتے ہیں۔

اس حدیث قدسی میں چار باتوں کا ذکر ہے۔ اللہ کے مقبول ومحبوب بندوں سے اللہ کی رضا کی خاطر محبت، اب اس محبت کی یہ کوئی شرط نہیں کہ فقط

زندہ جاوید اس عالم دنیا ہی میں یہ محبت ہو یا پھر ان کے وصال کے بعد محبت ہے۔ محبت ان اولیاء سے ان اللہ کے بندوں سے جو وصال فرما چکے ہوں، ہر دو حالتوں میں وہ اللہ کی اس خوشخبری کا مستحق ٹھہرے گا۔

وَجَبَتْ مُحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ

کہ میری خاطر جو میرے بندے سے محبت کرتا ہے مجھ پر ان کی محبت واجب ہو چکی۔ گویا وہ اللہ کے محبوب بن گئے جو اس کے نیک لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔ یعنی بوسیلہ صالحین وہ بھی محبوب ہو گئے جو ان کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ اب دوسری بات

وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ

جو میری خاطر میری صالحین کی صحبت و مجلس میں بیٹھتے ہیں۔ یہ تو فقط ان کی حیات ہی میں ممکن ہے۔ پھر بھی ان کی صحبت اللہ کی محبت کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ تیسری بات ہے

وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ

جو میری خاطر میرے بندوں کی زیارت کرنے جاتے ہین، یہ ان حیات عالم دنیا میں بھی ہو سکتا ہے۔ اور عالم برزخ میں بھی رہتے ہوئے ان کے مزارات کی حاضری ان کی زیارت ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ عالم برزخ میں زندہ ہیں، اوپر ہونے والے حالات سے واقف ہوتے ہیں۔ اور یہ بات بھی ساتھ ہے کہ ہر صاحب قبر کو اسکے زائر کے آنے کی خبر ہوتی ہے۔ اس کے دلائل میں حافظ ابن قیم کی کتاب الروح بھری پڑی ہے۔ اور علام جلال الدین سیوطیؒ کی معروف تصنیف شرح الصدور حال الموتی والقبور میں سینکڑوں واقعات لکھے ہوئے ہیں۔

اپنے قارئین کی تشفی قلب اور اطمینان قلب کے لئے ان دونوں بزرگوں کی کتابوں سے صرف ایک ایک واقعہ ہدیہ کیا جاتا ہے۔ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی اپنی شہرہ آفاق کتاب ''شرح الصدور حال الموتی والقبور میں ابن ابی دنیا، امام بیہقی نے عثمان بن سورہ سے روایت کیا، کہ ان کی ماں کو کثرت عبادت کی وجہ سے رائبہ کہتے تھے۔ جب میری ماں کا انتقال ہوگیا تو میں ہر جمعہ کو ان کے پاس آتا تھا۔ ان کے لئے اور تمام اہل قبور کے لئے دعائے مغفرت کرتا تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ آپ کے مزاج کیسے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ بیٹا موت کی

تکلیف سخت ضرور ہے۔ مگر میں بحمد اللہ تعالیٰ بہترین برزخ میں ہوں۔ اسمیں پھولوں کا بستر بچھاتی ہوں۔ سندس اور استبرق کا تکیہ لگاتی ہوں۔ میں نے عرض کیا اے میری ماں کوئی مزید حاجت ہے تو فرمایا ہاں ہے یہ کہ تم میرے پاس آنا نہ چھوڑنا، کہ تمہارے آنے سے مجھے انس رہتا ہے۔ اور دوسرے اہل قبور مجھے بشارت دیتے ہیں کہ تمہارا بیٹا آرہا ہے۔ اور وہ بھی تمہاری دعاوں سے خوش ہوتے ہیں۔ اس قسم کے بہت سارے واقعات اسی کتاب شرح الصدور میں مرقوم ہیں۔ میرا خیال ہے اہل عقیدت ومحبت اور ہدایت کے متمنی شخص کے لئے ان میں سے ایک ہی کافی ہے۔ اور اب ایک واقعہ جناب حافظ ابن قیم الجوزی جہ کہ ابن تیمیہ کے شاگرد خاص ہیں ان کی کتاب (کتاب الروح) سے بھی ایک ہی واقعہ نقل کرتا ہوں تا کہ خصوصاً وہ لوگ جو حیات برزخی کا انکار کرنے والے ہیں اور کتابیں سیاہ کردی ہیں ایڑھی چوٹی کا زور لگا کر خطابات میں بھی اس بات پر ہی اصرار کرتے ہیں۔ فوت شدگان تو مر کر مٹی میں مل گئے یہ تو فقط مٹی کا ڈھیر ہوگئے۔ نہ سن سکتے ہیں نہ ان کے پاس جانے کا فائدہ ہے اور نہ ہی ان کو کچھ معلوم ہوتا ہے۔

اے نادانوں ذرا صرف اس بات پر ہی غور کرلو کہ آقا کریم ﷺ نے ہمیں اہل قبور کو سلام کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ فضول ہے (معاذ اللہ) اگر وہ سن

نہیں سکتے تو پھر السلام علیکم یا اہل القبور کہنے کا مقصد کیا ہے۔ اسکے بڑے دلائل ہین۔ پھر حساب قبر کا جو تذکرہ ہوتا ہے۔ وہ سوالات مردہ مٹی سے ہوتے ہیں۔ ہوش کے ناخن لو اور اپنے عقائد پر غور و فکر کرو تا کہ ہدایت نصیب ہو۔

امام اسماعیل بخاریؒ نے بخاری شریف میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

اِنَّ الْمَیِّتَ یَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِ الْمُشَیِّعِیْنَ لَہٗ اِذَا انْصَرَفُوْا عَنْہُ۔

ترجمہ: بے شک میت دفن کر کے جانے والوں کے جوتوں کی آواز بھی سنی جب وہ بکھر جاتے ہیں (کتاب الروح، ابن قیم) اس حدیث پاک سے حیات میت ثابت ہے۔ سمع الموتی بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ ہماری جو بحث چل رہی ہے کہ میت اپنے زائرین کو پہچانتی ہے۔

اس سلسلہ میں بھی صرف ایک واقعہ ہی اسی کتاب الروح سے دانشمندوں کے لئے تو کافی ہے مگر حاسدین، مفسدین اور دل میں بغض رکھ کر پڑھنے والوں کے لئے دلائل کے انبار بھی لگ جائیں تو بھی ان کے دل کا بغض انہیں جھکنے نہیں دیتا۔ اور حقائق تک وہ عمر بھر رسائی حاصل نہین کر سکتے۔ یہ صرف نصیب کا معاملہ ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ مگر دیتا اسے ہے جو طلبگار ہو۔

حافظ ابن قیم لکھتے ہین۔ کہ حماد بن سلمیٰ نے ثابت سے اور ثابت
نے پھر شہر بن حوشب سے بیان کیا، کہ صعب بن جشامہ اور عوف بن مالک
میں بھائی چارہ تھا۔ حضرت صعب بن جشامہ نے حضرت عوف بن مالک
سے کہا کہ ہم میں سے جو کوئی بھی پہلے مر جائے ایک دوسرے کو حالات
بتاتے رہیں۔ تو اس پر عوف بن مالک نے کہا اگر ایسا ہو سکتا ہے تو ضرور۔
صعب بن جشامہ فوت ہو گئے اور عوف بن مالک کہنے کے مطابق حضرت
صعب کے پاس آتے جاتے رہے۔ ایک دن عوف نے صعب کو خواب مین
دیکھا تو پوچھا کہ تیرے رب نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ صعب نے
جواب دیا کہ مجھے معاف کر دیا گیا۔ آپ میں باتوں کے بعد رخصت ہونے
لگے تو عوف نے کہ کہ بھائی یہ تیری گردن میں ایک سیاہ داغ کیسا ہے۔ تو اس
پر صعب نے کہا کہ میں نے ایک یہودی سے دس دینار ادھار لئے تھے واپس
نہ کر سکا۔ وہ دس دینار میں نے میں نے چھتی پر رکھے تھے میری بیوی نے اٹھا
کر فلاں جگہ رکھ دئے ہیں۔ عوف نے کہا کہ بھائی تمہیں کیسے معلوم۔ تو
صعب نے کہا کہ مجھے اپنے گھر میں ہونے والے تمام واقعات کی خبر ہوتی
ہے۔ میرے بعد میری بلی جس سے میں پیار کرتا تھا وہ پرسوں مر گئی اور سات
ایام کے بعد میری بیٹی بھی مر جائے گی۔ حضرت عوف زیارت سے فارغ

ہو کر صعب کے گھر گئے۔ تو ان کی بیوی نے شکوہ کے انداز میں کہا کہ بھائی آپ نے تو اپنے بھائی کے فوت ہو جانے کے بعد ہماری خبر بھی نہیں لی۔ حضرت عوف بن مالک نے کہا کہ بہن وہ دس دینار جو آپ نے چھتی سے پکڑ کر فلاں جگہ رکھ دیئے ہیں وہ مجھے دے دو تا کہ میں وہ دینار اس یہودی کو واپس دے دوں جس سے اس نے قرض لیا تھا۔ تو صعب کی بیوی نے وہ دینار حضرت عوف بن مالکؓ کے حوالہ کر دیا۔ تو اس پر حضرت عوف بن مالک نے کہا ہاں ایک بات پوری ہو گئی۔ پھر کہا کہ بھائی کے فوت ہو جانے کے بعد گھر میں کیا کچھ واقعات رونما ہوئے۔ تو اس پر حضرت صعب کی زوجہ نے بتایا کہ دو دن پہلے گھر مین بلی تھی جس سے آپ کے بھائی بہت پیار کرتے تھے۔ وہ مر گئی۔ پھر حضرت عوف نے پوچھا کہ میری بھتیجی کہاں ہے۔ تو بتایا گیا کہ بچی بیمار ہے۔ اسے بخار ہے۔ تو اس پر حضرت عوف بن مالک نے کہا کہ حضرت صعب کی سب باتیں سچ نکلیں۔

اس واقع سے واضح ہوتا ہے کہ فوت شدگان اپنے زائرین کو پہچانتے ہیں بلکہ اپنے گھروں میں ہونے والے واقعات کو بھی جانتے ہیں۔ یہ ایسے ہی کسی کا واقعہ نہیں یہ عقیدہ اصحابہ اکرام کا بیان ہو رہا ہے۔ حضرت صعب بن جشامہ اور حضرت عوف بن مالک دونوں اصحابہ رسول اللہ ﷺ

ہیں۔ یہ دو واقعات بیان کرنے کا مقصد صرف حیات برزخ ثابت کرنا تھا۔

جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو حیات برزخ مسلمہ ہے۔ ان کو سلام کرنا تو بحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ تو پھر ان سے کلام بھی کیا جا سکتا ہے۔ جب کلام ہو سکتا ہے تو پھر ان سے استمداد بھی ہو سکتا ہے۔ استغاثہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ ہی وسیلہ ہے۔ یہ توسل باالاولیاء متوفین ہیں حدیث پاک:

عَنْ عَبَادَةَ بْنِ صَامِتْ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَلْاَبْدَالُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلٰثُوْنَ بِهِمْ تَقُوْمُ الْاَرْضِ وَبِهِمْ تُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ تُنْصَرُوْنَ۔

(طبرانی، ترمذی) ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ابدال میری امت میں تیس ہیں۔ انہی کے وسیلہ سے زمین قائم ہے۔ انہی کے سبب بارش برستی ہے اور انہی کے وسیلہ سے تمہاری دشمنوں پر مدد کی جاتی ہے۔

اس حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ ابدال (یہ اولیائے امت ہیں عند اللہ اعلیٰ درجات کے حامل افراد ہوتے ہیں) تیس ہیں۔ اللہ رب العزت ان پاک نیک صالحین کے وجود کی وسیلہ جلیلہ سے بارش برساتا ہے۔ اور انہی کے تصدق و توسل سے دشمنوں کے مقابل مدد کی جاتی ہے۔ اور فرمایا گیا کہ زمین بھی انہی کے سبب قائم ہے۔ اور اب اگر ان کا توسل

اللہ کی بارگاہ مین اپنی حاجات کے لئے پیش کیا جائے تو یقیناً اس کی حاجب براری ہوگی۔ کیونکہ یہ اللہ کے مقرب ہستیاں ہیں۔ ان لوگوں نے ساری عمر اللہ کی فرمانبرداری میں گزاری ہوتی ہے۔ کبھی بھی نافرمانی نہین کی ہوتی تو جب یہ کوئی اپنے مالک ومولا سے سوال کرتے ہیں پھر رب کائنات ان کے سوال کو رد نہیں کرتے بلکہ عطا فرما دیتے ہیں۔ تو معنی یہ ہوا ان کے توسل سے ان کے در پر آنے والے کی حاجات پوری کر دی جاتی ہیں۔ اور اس حدیث پاک میں ان اولیاء مقربین پر پابندی نہیں لگائی گئی کہ ان کا اس عالم دنیا میں حیات ظاہری میں موجود ہونا ضروری نہیں وہ برزخ میں ہو یا دنیا میں وہ کہیں بھی ہے۔ اس کے توسل سے سوال کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ برزخ یعنی قبر میں بھی وہ زندہ ہیں باتو کو التجاؤں کو سنتے ہیں۔ پھر اپنے رب تک پہنچاتے ہیں۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ آقا کریم نے راہنمائی فرمائی ہے۔ اگر کسی کو پریشانی ہو اور کوئی ان کا پرسان حال نہ ہو تو پھر وہ پریشانی کے عالم میں میرے رجال الغیب (ارواح اولیاء بھی ہوسکتی ہین اور فرشتے بھی) سے ان الفاظ میں ان سے مدد مانگیں۔ حدیث پاک:

عَنْ عُتْبَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ بِنْ غَزْوَانَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَضَلَّ اَحَدُكُمْ شَيْئًا اَوْ اَرَادَ اَحَدُكُمْ عَوْنًا وَهُوَ بِالْاَرْضِ لَيْسَ بِهَا اَنِيْسٌ فَلْيَقُلْ يَا عِبَادَ اللهِ اَغِيْثُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللهِ اَغِيْثُوْنِيْ۔ يَا عِبَادَ اللهِ اَغِيْثُوْنِيْ فَاِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا لَا نَرٰهُمْ وَقَدْ جُرِّبَ ذَالِكَ۔

ترجمہ: حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں کوئی شے گم ہو جائے یا کوئی مدد چاہیئے اور وہاں اسکی مدد کرنے والا کوئی نہ ہو۔ تو اسے چاہیئے کہ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ یقیناً اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنہیں ہم دیکھ نہیں سکتے مگر وہ مدد کے لئے مامور ہیں۔

اب اس حدیث پاک پر غور کریں تو بڑی کھلی بات نظر آتی ہے۔ کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے سہارا پریشان حال لوگوں کو اللہ کے مقربین سے مدد لینے کا طریقہ بتا دیا ہے۔ حدیث پاک مین کسی کا نام نہیں لیا گیا کھلے انداز میں اللہ کے تمام بندوں سے استغاثہ وتوسل کیا گیا ہے۔ اور کسی معلوم شخصیت سے استغاثہ وتوسل کر لیا جائے تو بالکل بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ وہاں پر تمام بندوں کو پکارا گیا ہے۔ مگر اب ایک ذات جس پر بھروسہ اور اعتقاد مضبوط ہے۔ تو اس ذات کو ان کا نام لیکر پکار لیا جائے یہ کیسے شرک ہو سکتا ہے۔ یہ ہرگز ہرگز

شرک نہیں کیونکہ مستعان حقیقی اللہ ہی کی ذات ہے۔ کسی ولی غوث قطب ابدال یا نبی کو مستعان حقیقی نہیں مانا جاتا۔ یہ سب پاک شخصیات اللہ کے کمزور گنہگار بندو کی مدد اللہ رب العزت کے دیئے گئے اختیارات اور اللہ کی دی ہوئی طاقت ہی سے کرتے ہیں۔ اس لئے یہاں شرک کا شائبہ بھی نہیں ہوسکتا۔ یہ ساری وضاحت رد شرک کے عنوان کے تحت بیان ہو چکی ہے۔ لہذا کسی بزرگ کا نام لیکر بھی استغاثہ یا توسل کیا جائے تو بالکل جائز اور درست ہے۔ جس طرح کے سلسلہ عالیہ قادریہ میں یہ الفاظ بطور استغاثہ بھی ہیں اور وظیفہ کے طور پر پڑہنے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ یا سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ پڑھنا بزرگان دین، اولیاء انبیاء علیھم السلام سے براہ راست استمداد کے متعلق چند احادیث درج کی جاتی ہیں تا کہ حقانیت عقیدہ اہلسنت آشکار و عیاں ہو جائے۔

ا:- امام ابن شیبہ روایت کرتے ہیں۔

(شرع صیح مسلم، غلام رسول سعیدی) ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ کراماً کاتبین کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کیئے ہیں۔ جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں جب تم میں سے کسی شخص کو سفر میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ ندا کرے۔ اے اللہ کے بندو تم پر اللہ رحم

فرمائے میری مدد کرو۔

۲:- حافظ ابو بکر دینپوری معروف بابن السنی اپنی مسند کے ساتھ روایت

عَنْ عَبْدَ اللّٰهِ بِنْ مَسْعُوْدَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ

اَحُدُکُمْ بِاَرْضٍ فَلَاتَه فَلْیُنَادِ یَا عِبَادَ اللّٰهِ اِحْبِسُوْا یَا

عِبَادَ اللّٰهِ اِحْبِسُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فِی الْاَرْضِ حَاضِرٍ

یَسْتَحْبِسُهُ۔ (عمل الیوم والیلہ، طبرانی، شرح صحیح مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا جب تم میں سے کسی ایک شخص کی سواری ویران زمین میں بھاگ

جائے تو یہ ندا کرے اے اللہ کے نیک بندو اس کو روک لو اے اللہ کے نیک بندو

اسے روک لو کیونکہ زمین اللہ عز وجل کے کچھ ہیں جو روک لیتے ہیں۔

علامہ نوری امام ابن السنی کی کتاب سے حضرت عبد اللہ بن مسعود کی

روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ مجھ سے میرے استاتذہ نے بیان کیا

جو بہت بڑے عالم تھے کہ ایک مرتبہ ریگستان میں انکی سواری بھاگ گئی، ان کو

اس حدیث کا علم تھا انہوں نے یہ کلمات کہے ''اے اللہ کے بندو میری مدد

کرو'' اسے روک لو تو اللہ تعالیٰ نے اس سواری کو اسی وقت روک دیا۔

۱:- شیخ شوکانی (جو غیر مقلدین کے سرخیل ہیں) نے علامہ نوری کی عبارت کو تحفۃ الذاکرین میں نقل کیا ہے۔ ملا علی قاری یا عبداللہ کی شرح میں اپنی کتاب الحزرالثمین میں لکھتے ہیں۔ "اے اللہ کے بندو" اس سے مراد فرشتے ہیں یا پھر مسلمان جن ہیں یا اس سے مراد رجال الغیب مراد ہیں۔ جن کو ابدال کہا جاتا ہے۔ یعنی اولیاء اللہ درج بالا احادیث میں یہ واضح ہو گیا کہ اللہ کے بندوں سے براہ راست مدد طلب کرنا جائز اور درست ہے اور اگر مخصوص کسی اللہ کے بندے کا ذکر کر دیا جائے اس کا نام لے لیا جائے جیسا کہ، یا شیخ عبدالقادر جیلانی شئیاً للہ کہا جائے یا پھر یا علی مدد کہا جائے۔ بالکل عین حدیث پاک کے مطابق درست و جائز ہے۔ پھر مزید تائید علد اصحابہ اور تابعین سے بھی مل جاتی ہے۔ کہ اپنے ابتلا اور مشکل حالات میں یا محمد کہ کر پکارا کرتے تھے۔ جنگ یمامہ مین مسلمہ کذاب سے مسلمانوں کی جنت میں کافی شدت تھی اس جنگ کا نقشہ کھینچتے ہوئے علامہ ابن اثیر جذری لکھتے ہیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے دشمن کو للکارا اور للکارنے والوں کو دعوت قتال دی تو یا محمداہ کہہ کر نعرہ لگایا اور پھر جس کو بھی للکارتے قتل کر دیتے۔

حافظ ابن کثیر جنت کے اس منظر کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں،
حضرت خالد بن ولیدؓ کا نعرہ لگانا یہ اس وقت ان لوگوں کا معمول کا نعرہ تھا۔
ہر مشکل کے وقت یا محمداہ کا نعرہ لگایا جاتا تھا۔

عزیزان گرامی قدر اگر اس وقت کے اصحابہ تابعین کا معمول کا نعرہ
جائز تھا اگر یہ ہی نعرہ اب لگایا جاتا ہے تو کیوں ذہنی و قلبی تکلیف شروع ہو
جاتی ہے۔ کیوں بلڈ پریشر یکدم اوپر شوٹ کر جاتا ہے۔ ایسے روحانی
مریضوں کے اوسان کیوں خطا ہو جاتے ہیں۔ ان بزروگوں کا عقیدہ قول
بیان کرنے کا مقصد یہ ہے ان کے ماننے والے بھی اپنے قول و فعل پر غور
کریں اور تضاد کو دور کر لیں۔

مذکورہ حدیث پاک کے مطابق یہ الفاظ پڑھنا اور حضور غوث الاعظم
سے استغاثہ اور استعانت طلب کرنا عین جائز ہے۔ قطعاً کسی قسم کا اس میں
شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اور پھر یہ الفاظ بھی پڑھنے بالکل درست ہیں۔

امداد کن امداد کن در دین و دنیا شاد کن
از رنج و غم آزاد کن یا غوث الاعظم دستگیر
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

یہ اشعار کسی بازار میں چلتے شاعر نے نہیں کہے بلکہ مقرب خدا گدائے مصطفیٰ شہنشاہ چشتیاں حضرت مخدوم جہاں خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے اپنے کے دل مین جو محبت حضور داتا علی ہجویری سے تھی۔ اسکی عکاسی کر کے لوگوں کی راہنمائی بھی کی ہے۔ اور عقیدہ بھی ظاہر فرمایا ہے۔مصنف اپنا واقعہ بیان کر رہا ہے۔ کہ حج میں یوم عرفہ کے دن مجھے ایک پریشانی لاحق ہوئی۔ تو میں نے فرمان مصطفیٰ ﷺ کے مطابق مذکورہ حدیث کے الفاظ دہرائے اور وساتھ ہی غوث الاعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؓ سے استغاثہ بھی کیا کہ بلند آواز میں الفاظ منہ بطرف بغداد شریف کر کے کہے یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ بس یہ کہنے کی دیر تھی کہ عباد اللہ کی آمد ہوئی اور میرا مسئلہ فوراً حل ہو گیا۔ مشکل دور ہو گئی۔ یہ میرا ذاتی تجربہ شدہ عمل ہے۔ مجھے اس عمل سے اوپر درج کلمات کی صحت معلوم ہو گئی اور اعتماد و اعتقاد مضبوط ترین ہو گیا۔ میں نے اس لئے لکھا ہے کہ قارئین کو پڑھنے میں تردد نہ ہو اور وہ بالیقین اس سے استفادہ حاصل کر سکیں۔

سیدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانیؓ جو کہ قطب الاقطاب اور صوفیاء کے بلند درجے پر غوث الاعظم فائز ہیں، ان سے منسوب چند واقعہ نقل کرتے ہیں کہ اہل محبت کی تسکین کا باعث بنے انبات کے لئے مختلف

انداز کے دلائل پیش کیئے گئے ہیں۔اب وہ واقعات جو عملی طور پر وسیلہ اولیاء امت کو ظاہر کرتے ہیں بیان کیئے جاتے ہیں۔

۱:- شہر بغداد میں ایک تاجر جو کہ حضرت حماد دباسؒ کا مرید تھا۔تجارت کے سفر پر جانے سے پہلے اپنے پیرومرشد کے پاس آتا ہے۔اور عرض کرتا ہے کہ حضور میں نے سفر تجارت کے لئے تیاری کی ہے،تو حضرت حماد دباس نے مراقبہ فرمایا اور کچھ دیر کے بعد جواب دیا کہ بیٹا یہ سفر بڑا خطرناک ہے۔اسمیں مال بھی لوٹا جائے گا۔اور جان کے تلف ہونے کا خطرہ ہے۔لہذا تم اس سفر سے گریز کرو،مگر اس مرید کو اطمینان نہ ہوا وہ سیدنا غوث الاعظم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔اس وقت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بڑے مشغول تھے۔اس مشغولیت ہی کے دوران اس تاجر نے اپنی بات کہہ ڈالی عرض کیا حضور میں نے سفر تجارت کا ارادہ کیا ہاے،دعا کا طالب ہوں۔ فرمایا،جاؤ اپنا سفر اختیار کرو اللہ تبارک وتعالیٰ بہت نفع بخشنے والا ہے۔وہ شخص سفر پر چلا گیا۔منزل پر پہنچ کر مال کی خرید وفروخت میں بڑا نفع کمایا۔اور واپسی کا راستہ لیا،راستے میں قافلے نے پڑاو ڈالا اب رات کو یہ تاجر سویا ہوا تھا۔کہ خواب میں دیکھتا ہے کہ

قافلے پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا ہے اور قتل و غارت بھی کر رہے ہیں۔ اور اس تاجر کی جان بھی جاتی رہتی ہے۔ گھبرا کر تاجر بیدار ہوتا ہے اس نے اپنا حال دیکھا سب ٹھیک ہے اور قافلے کے دیگر سب لوگ سو رہے ہیں، پھر سو جاتا ہے۔ کہ یہ خواب آیا تھا یہ بخیریت واپس بغداد پہنچ جاتا ہے اور اپنے نفع سے نذرانہ لیکر جناب حماد دباس کی خدمت میں جاتا ہے۔ عرض کرتا ہے کہ حضور میں اس سفر پر گیا اور مجھے یہ نفع حاصل ہوا ہے، اس سے آپ کی بارگاہ میں نذرانہ پیش کر رہا ہوں۔ فرمایا، بیٹا یہ نذرانہ مجھے پیش نہ کرو بلکہ یہ نذرانہ عبدالقادر جیلانی کی بارگاہ میں پیش کرو جن کی دعا کے وسیلہ میں اصل واقعہ کو ایک خواب میں تبدیل کر دیا، اور تم نفع کما کر بخیریت واپس آ گئے ہو۔ اصل ہونا اسی طرح تھا جو تمہیں خواب میں نظر آیا۔ یہ تبدیلی صرف ذات غوث الاعظم کے تصدق و وسیلہ سے ہوئی ہے۔

۲:- یہ ہی حضرت حماد دباسؒ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اساتذہ میں سے تھے۔ ایک دن دریا پار جانے کا ارادہ تھا۔ چند طلباء اور استاد محترم جا رہے تھی کہ ایک پُل پر سے گزر ہوا۔ حضرت حماد دباس جو

کہ استاد محترم ہیں انہوں نے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی (جو ابھی طالب علم تھے) کو پُل پر سے نیچے گرا دیا، دھکا دے دیا۔ دریا میں گرتے ہی سیدنا غوث الاعظم نے غسل جمعہ کی نیّت کر لی کہ یہ دن جمعہ کا تھا۔ مزید دو اور ڈبکیاں لگائیں۔ اور شرائط غسل کو پورا فرما لیا۔ اور اپنی گودڑی جو کہ صوف کی بنی ہوئی تھی۔

باوجود سخت سردی کے اسے نچوڑا بھی نہیں اور صبر و استقلال سے اپنے سفر پر استاد محترم کے ساتھ باادب چلتے رہے۔ دوسرے طالب علموں نے مزاق اڑایا تو استاد محترم نے ڈانٹا کہ خبردار عبدالقادر کو بات نہ کرے میں نے اسے آزمایا ہے اور یہ صبر و استقلال کا پہاڑ ہے۔ جو اپنی جگہ سے ذرا بھی نہیں سرکتا۔ حضرت حماد دباس کا وصال ہو چکا تھا، عرصہ دراز گزر گیا ایک دن حضرت غوث الاعظم کہیں جا رہے تھے۔ کہ راستہ سے ایک قبرستان سے گزر ہوا تو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا اس قبرستان میں میرے ایک استاد محترم کی قبر ہے۔ آؤ اس پر فاتحہ خوانی کر لیں۔ فاتحہ خوانی کرتے کرتے معمول سے کہیں زیادہ دیر ہو گئی، تو بعد میں مریدین نے عرض کیا حضور کیا معاملہ تھا۔ کہ اسقدر طویل فاتحہ تو کہیں بھی نہیں کی گئی۔ آج ادھر اس قدر وقت لگانے میں کیا حکمت تھی تو حضور عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا، کہ جب

میں اپنے استاد محترم کی قبر پر جا کر کھڑا ہوا تو میں نے قبر کے اندر دیکھا کہ حضرت حماد دباس کا وہ ہاتھ جس سے مجھے پُل پر سے دھکا دیا تھا وہ ہاتھ شل ہو چکا تھا۔ تو میرے استاد محترم نے کہا اے عبدالقادر تیرا رب تجھ سے محبت کرتا ہے تو نے کوئی بددعا نہیں کی مگر تیرے رب نے مجھے سزا دے دی۔ اور میرا ہاتھ شل ہو گیا۔ اب تم میرے لئے دعا کرو کہ میرا ہاتھ درست ہو جائے میں دعا کرتا رہا اور چار سو اولیاء میری دعا پر آمین کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا ہاتھ درست ہو گیا۔

یعنی بوسیلہ غوث الاعظم قبر میں بھی نفع پہنچایا جا رہا ہے۔ اب ایک آخری واقعہ بیان ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مین ایک خاص درس بھی ہے۔ ملفوظات امام ربانی میں ہے۔ کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے صاحب زادگان کی تعلیم کے لئے ایک بہت نامور عالم دین کو مقرر فرمایا ہوا تھا۔ ایک صاحبزادگان قریب بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک فرمادیا۔ کہ میرے بیٹو آپ کا استاد بڑا صاحب علم ہے۔ مگر اس کی آخرت خراب ہے۔ کہ وہ شقی ہے۔ بچے بڑے پریشان ہوئے ۔ استاد محترم پڑھانے آئے تو بچے پریشان غمزدہ تھے۔ استاد محترم نے فرمایا کہ طبیعت خراب ہے، چلو کوئی بات نہیں آج چھٹی کر لیں کل پڑھائیں گے۔ جب دوسرے دن آئے تو پھر بھی بچوں کو پریشان

ہی دیکھا تو پوچھا کہ بیٹا کی ابات ہے، آخر اسقدر کیا غم جو آپ کو پریشان کر رہا ہے۔ تو بچوں نے عرض کیا استاد محترم ابا حضور نے ہمیں خبر دی ہے کہ آپ کا استاد بہت بڑا عالم دین تو ضرور ہے مگر وہ جہنمی ہے، تو ہم اسلئے سوچ میں پڑ گئے اور اس بات نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے۔ تو استاد محترم عقیدتمند عالم دین تھے۔ فرمایا، اسمیں پریشانی کی کوئی بات نہیں جو رب آپ کے والد محترم کو میرا شقی ہونا بتا سکتا ہے وہ رب کریم آپ کے والد محترم کی دعا سے میری تقدیر بدل بھی سکتا ہے۔ بچے یہ سن کر مچل گئے اور بھاگتے بھاگتے والد محترم کے حجرہ میں چلے جاتے ہیں، عرض کیا ابا حضور تجویز لائے ہیں۔ فرمایا بیٹا کیا تجویز لائے ہو، عرض کیا کہ ابا حضور استاد محترم نے فرمایا ہے کہ جو رب میری تقدیر بتا سکتا ہے وہ رب آپ کے والد محترم کی دعا سے تقدیر بدل بھی سکتا ہے۔ تو اس پر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مراقبہ فرمایا اور خود بھی سوچ میں پڑ گئے کہ تقدیر معلق نہیں جو دعا سے بدل جائے یہ تو تقدیر مبرم ہے جو بدلتی نہیں۔ مگر مجدد پاک کے دل میں خیال آیا کہ غوث الاعظمؓ نے ارشاد فرما رکھا ہے۔ کہ میری دعا سے تقدیر مبرم بھی بدل جاتی ہے۔ تو فوری طور پر غوث الاعظم کا وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا اور کچھ ہی دیر بعد بچوں کو بشارت دی کہ میرے رب نے اپنے محبوب و مقبول بندے غوث الاعظم کے وسیلہ سے

آپ کے استاد کی تقدیر بدل کر شقی سے سعید لکھ دیا ہے۔ اور وہ ذات یعنی جو استاد پہلے فقط ملا طاہر لاہوری کہلواتے تھے جو کہ اس وسیلہ کی دعا کے بعد حضرت طاہر بندگی کامل واکمل ولی اللہ بن گئے جن کا مزار آج بھی لاہور میانی صاحب کے مشہور و معروف قبرستان میں مرجع خلائق ہے۔

عزیزان گرامی یہ واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ اولیاء اکرام کا وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرنے سے ہر مشکل اور پریشانی دور ہو جاتی ہے۔ اور ہر حاجت بھی پوری ہو جاتی ہے۔ اب آخر میں تبرکات اولیاء کا سلسلہ میں ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔

محمود غزنوی کا نام مؤرخین نے ایک بہادر شجاع سپہ سالار اسلام میں لکھا ہے۔ یہ افغانستان سے ہندوستان لشکر کشی کے لئے آتے رہے۔

ہندوستان کا ایک بڑا کرشمہ ساز مندر سومنات جس میں ایک بت درمیان بڑے ہال میں معلق تھا کسی بھی دیوار سے نہ لگا ہوا تھا نہ چھت سے کوئی بندھن تھا اور نہ ہی نیچے سے کوئی سہارا دیا گیا تھا۔ اور ہندو ہر مت اسکو بڑی کرامت کے طور پر عوام الناس میں مشہور کر کے سادہ لوگوں کو بہکاتے اور ہندو بناتے تو محمود غزنوی نے اس پر لشکر کشی کی مگر کامیابی نہ ملی۔ پے در پے سولہ حملے کیئے مگر ہر بار پسپائی ہی اٹھانا پڑی آخر کار اپنے پیر و مرشد حضرت

ابوالحسن خرقانیؒ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اپنا ماجرہ بیان کیا۔ تو مرد حقانی جناب ابوالحسن خرقانیؒ اندر گئے اور اپنا پہنا ہوا جبہ لاکر دیا اور اے محمود جب تم سمجھو اب پھر فوج پسپا ہو رہی ہے اور مڈبھیڑ ہے۔ تو دو رکعت ادا کر کے اس میرے خرقہ کو سامنے رکھ کر اللہ سے دعا کرنا اور دعا کرتے رہنا تاوقت یہ کہ تجھے فتح ونصرت کی بشارت نہ مل جائے۔ محمود غزنوی نے ایسا ہی کیا، خرقہ مبارک کو سامنے رکھ کر اللہ سے دعا کی تو ابھی سر سجدہ سے نہ اٹھایا تھا کہ آواز ائی سومنات کا مندر فتح ہو گیا ہے۔ اور معلق شدہ بت نیچے گر گیا ہے۔ اس سے بڑے ہیرے جواہرات مال غنیمت میں ملے۔ گویا کہ بوسیلۂ خرقہ حضرت ابوالحسن اللہ نے فتح ونصرت سے نوازا۔

عزیزان گرامی قدر بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ کے ولیوں کے استعمال شدہ تبرکات میں بھی برکات پنہا ہوتی ہیں۔ کوئی عقیدتمند یقین کامل سے ان تبرکات کا وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے تو وہ کریم ذات رد نہیں فرماتی بلکہ اپنے اس مقرب بندے کے اعزاز میں وسیلہ قبول فرما کر سائل کی مدد فرمائی جاتی ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں ان واقعات و معاملات پر دل کی گہرائی اور تعصب وحسد کی پٹی آنکھوں سے اتار کر غور وفکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہمنیں باہمی جھگڑے کی بجائے راہ ہدایت نصیب ہو۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ جو کہ مولانا اشرف علی تھانوی کے پیرو مرشد ہیں۔ اپنی تصنیف فیصلہ ہفت مسئلہ میں لکھتے ہیں کہ یہ کلمات اس عقیدہ سے پڑھے جائیں کہ مستعان حقیقی رب کی ذات ہے تو بالکل جائز ہے۔ یہ بحث کافی طویل ہوگئی۔ سمجھنے اور ماننے کے لئے تو اسی قدر ہی کافی ہے۔ یہ باتیں تبھی سمجھ میں آ سکتی ہین جب دل محبت اولیاء سے محبت صلحا سے معمور ہو دل میں اگر کہیں کونے کھدرے میں بغض و کینہ کا ہلکا سا نشان بھی پایا گیا تو پھر شیطان غالب آ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے یہ شخص عقیدے میں محبت میں کمزور ہے۔ اسے گمراہ کرنا آسان ہے۔ اور شیطان ایسے شخص پر غالب ہو جاتا ہے۔ اور اسکے ایمان و عقیدہ میں رخنہ ڈال کر بے ادب بنا دیتا ہے۔ اور بے ادب محروم ہے۔ اب قارئین اکرام کی تسکین صحت عقیدہ کے لئے بلا تبصرہ چند بزرگوں کے نظریات پیش کئے جاتے ہیں۔

۱:۔ محقق برحق مفتی بغداد علامہ سید محمود آلوسیؒ جو کہ ۱۲۷۰ ہجری میں بغداد میں وصال فرما گئے۔ اہل اللہ کو وسیلہ بنانے اور ان سے روحانی مدد حاصل ہونے کے احکامات و جواز پر بحث کرتے ہوئے سورہ النازعات کی پہلی آیتوں کی تفسیر لکھتے ہوئے اپنی مشہور تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں۔ (عربی) ترجمہ: جب

تمہیں مشکلات پیش آئیں تو اہل اللہ کے مزارات سے مدد طلب کیا کرو یعنی اللہ کے ان محبوب و مقبول بندوں سے جو نفوس قدسیہ کے مالک ہیں اور وہ وصال فرما گئے ہیں۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ جو شخص ان کے مزارات پر حاضری دے اسے ان کی برکت سے روحانی مدد حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی حرمت کا وسیلہ پیش کرنے سے مشکلات کی گرہیں کھل جاتی ہیں۔

تفسیر روح المعانی کافی لمبی تفصیل و تشریح لکھی گئی ہے۔ مگر ہم نے صرف اپنے عنوان کے مطابق ایک پیرا اخذ کیا ہے۔ تاکہ حضرت علامہ کا تصور وسیلہ کھل کر سامنے آجائے۔

۲:- حضرت شیخ محقق عبدالحق قادری محدث دہلویؒ۔ سیدنا حضور غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی الحسنی والحسینی گیلانیؓ کی مشہور کتاب فتوح الغیب کی شرح لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اولیائے اکرام جب بشریت کی تنگ نائے سے گزر کر میدان معرفت میں قدم رکھتے ہیں۔ تو انہیں خصوصی عظمت و قوت عطا کر دی جاتی ہے۔ ظاہری اسباب کے بغیر ہی کئی امور ان سے سرزد ہو

جاتے ہیں۔

اور مرتبہ فناء بقاء پر پہنچ کر وہ اسم قدیر کی تجلی کے مظہر بن جاتے ہیں۔(جس سے یہ دوسروں کی مدد اور حاجت روائی کر سکتے ہیں)

۳:- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ان کے قصیدہ حمزیہ اور قصیدہ اطیب النغم کے صرف دو اشعار پیش خدمت ہیں جن سے جناب شاہ صاحب کا عقیدہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

فَلَسْتَ اَرٰی اِلَّا الْحَبِیْبِ مُحَمَّدًا
رَسُوْلُ اِلٰہُ الْخَلْقِ جِمَّ الْمُنَاقِبِ

ترجمہ: اسوقت مجھے حبیب مکرم جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور معین مددگار نظر نہیں آتا جو رب کائنات کے رسول اور تمام صفات کے جامع ہیں۔

فَاَشْهَدُ اِنَّ اللّٰهَ اَرَاهِمْ خَلْقَهٗ
وَاِنَّكَ مِفْتَاحُ الْكَنْزِ الْمَوَاهِبِ

ترجمہ: پس میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر

بہت ہی مہربان ہے اور کرم راحت فرمانے والا ہے۔ اسمیں بھی کوئی شک نہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے خزائن وعطیات کی چابی ہیں۔ اور آپ ہی کے وسیلہ سے سب کچھ ملتا ہے۔

۴:- علامہ حجر القسطلانیؒ، نقباء نجباء، ابدال، اوتاد، غوث، قطب، ابدال اور اولیاء اکرام ایک خاص گروہ ہے۔ احادیث میں ان کے اوصاف وکمالات پڑھکر ایک سعید فطرت انساں کا دل ان کی زیارت سے مشرف ہونے اور ان کی حیرت انگیز عظمت اور روحانی کمالات کے مشاہدات کے لئے بے اختیار مچلنے لگتا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں، ان ہی لوگوں کی برکت ودعا سے بارش برستی ہے۔ اور مسلمانوں کو فتح ونصرت نصیب ہوتی ہے۔ یہ ملائکہ سیرت اور عالی مرتبت لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کے اونچے درجات پر فائز ہوتے ہیں۔ حضرت علامہ قسطلانیؒ فرما۔تے ہیں۔

اِذا عرضت اَلْحاجۃ مِنْ اَمْرُ الْعامۃ اِبْتہِل فِیھا النُّقَباء ثُمَّ بُجَباءَ ثُمَّ الْاَبْدال ثُمَّ الْاَخْیارُ ثُمَّ الْعُمْدَ فاِنَّ اَجِیبُوا ولَا اِبْتہِل الْغوث فلَا تتِمُ مسئلہ بجَاب دَعواتہٗ

(شرح زرقانی المواهب) ترجمہ: جب عام لوگ کسی ہیبت میں گرفتار ہوتے ہیں تو سب سے پہلے نقباء دعا کرتے ہیں، پھر باری باری نجباء ابدال، اخیار اور عمد کی باری آتی ہے۔ اگر ان کی دعا سے مسئلہ حل ہو جائے تو بہتر و گرنہ پھر غوث دعا کرتے ہیں کہ سوال ختم ہونے سے پہلے ہی ان کے توسل سے مشکلات دور ہو جاتی ہیں اور مسئلے حل ہو جاتے ہیں اور لوگ ہر پریشانیوں سے نجات پاتے ہیں۔

۵:- حضرت علامہ محمد امین ابن عابد بن شامیؒ، حضرت علامہ شامی ہر مقلد غیر مقلد میں مقبول ماہر قانون دان ان کی فقہی ذہانت و مہارت دنیا کے عجائبات شمار ہوتی ہیں۔ ان کا علمی تحقیق کارنامہ آج بھی دنیا والوں کے سامنے "ردالمحتار" کے نام سے موجود ہے۔ جسمیں نوامی کے لئے تیز عملی اور اسے اٹھانے کے لئے اچھی تندرست قوت کی ضرورت ہے۔ حضرت علامہ نے اپنی کتاب کی تکمیل اور تشہیر کے لئے اللہ کے حضور اس طرح التجا پیش کی۔

وَاِنِّیْ اُسْئَالُہٗ تَعَالیٰ مُتَوَسِّلًا اِلَیْہِ بِنَبِیِّہِ الْمُکَرَّمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَ بِاَھْلِ طَاعَۃٍ مِنْ کُلِّ ذِیْ مَقَامٍ عَلٰی مُعَظَّمٍ وَبِقُدْوَتِنَا الْاِمَامُ الْاَعْظَمُ اِنْ لَیَّھَلْ ذَالِکَ عَلٰی مِنْ اِنْعَامِہٖ وَیُعِیْنَنِیْ عَلٰی اَکْمَالِہٖ وَاِتْمَامِہٖ۔

حوالہ (ردالمحتار) ترجمہ: اور میں حضور نبی کریم ﷺ کو اور عالی مرتبت فرمانبردار بندوں کو اور خاص طور پر ہادی برحق اما اعظم کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرتا ہوں، کہ وہ اپنے احسان سے یہ مشکل آسان کر دے اور اسے مکمل کر نیکی توفیق عطا بخشے۔ یہ دعا جو بوسیلہ امام الاعظم کی گئی تھی۔ اسقدر مقبول ہوئی کہ علماء کہ حلقہ میں اس سے بڑھکر کوئی کتاب ہی مستند نہیں ہے۔

۶:- مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب، انہوں نے اپنی مشہور تصنیف نشر الطیب میں حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ کا ایک قصیدہ نقل کیا جس کے چند ایک اشعار ھدیہ قارئین کرنے کی جسارت کرتا ہوں تا کہ حضرت علامہ تھانوی صاحب کے افکار کی خبر ہو جائے۔ ان کی سوچ وفکر کیا ہے۔ اوران کے ماننے والوں کی سوچ فکر میں کتنا بڑا خلا ہے۔ یہ پیروکار ایک گہری کھڈ میں گر رہے ہیں۔ جبکہ ان کے قائد علامہ تھانوی صاحب کنارے پر کھڑے عقیدے کا اظہار کر کے انہیں کھڈے میں گرنے سے روک رہے ہیں۔

وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتْ
الْاَرْضُ وَضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْاُفُقُ

اور جب آپ پیدا ہوئے تو زمین روشن ہوگئی اور آپ کے نور پاک

سے آفاق منور ہو گیا۔

فَنَحۡنُ فِیۡ ذَالِكَ الضِّيَاءِ
وَفِی النُّوۡرِ سُبُلَ الرَّشَادِ نَخۡتَرِقُ

پس ہم اسی روشنی اور نور میں ہدایت کے راستے طے کر رہے ہیں۔

وَمَنۡ تَکُنۡ بِرَسُوۡلِ اللّٰهِ نُصۡرَتُهٗ
فَالۡفَتۡحُ مِنۡ جُنۡدِهٖ وَالنَّصۡرُ وَالظَّفَرُ

اور جس شخص کو حضور ﷺ کے وسیلے سے نصرت حاصل ہو، تو فتح و نصرت اور کامیابی اس لشکر کا مقدر بن جاتی ہے۔ اگر تھانوی صاحب عقیدہ وسیلہ کے کائل نہ ہونے اسے ماننے والے نہ ہوتے تو کیا مجبوری بنی تھی کہ اپنی کتاب میں اسکا بڑی صراحت سے ذکر کیا یہ تبھی ممکن ہوا کہ وہ دل وجان سے اس عقیدے کے ماننے والے تھے انہوں نے تو پورا قصیدہ لکھا ہے۔ میں نے تو صرف اس میں سے تین شعر نقل کئے ہیں۔

تا کہ تھانوی صاحب کے پیروکار اپنے تخیلات پر غور کر کے اصلاح کر لیں۔ وما توفیق الا باللہ۔

۷:- حضرت علامہ شیخ سعدی شیرازی، حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ کے

عقائد کی عکاسی، اس شعر سے ہی ہو جاتی ہے۔

الٰہی بحق بنی فاطمہ

کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ

اے اللہ سیدہ بتول بنت رسول ﷺ کی اولاد کا صدقہ وسیلہ میرا خاتمہ ایمان پر کرنا۔ لِیْ خَمْسَۃٌ اُطْفِیْ حَرَّالْوَبَاءِ وَالْحَاتِمَ اَلْمُصْطَفٰی وَالْمُرْتَضٰی وَاَبْنَاھُمَا وَالْفَاطِمَۃُ

میرے لئے جہنم سے نجات کے لئے یہی پانچ کافی ہیں۔

یہ ہی پنج تن پاک کا وسیلہ جہنم کی آگ اور وباؤں سے نجات و دوری کے لئے کافی ہیں۔ اللہ رب العزت سے التجا ہے۔ ان پاک ہستیوں کے دامن کرم سے وابستہ رکھے۔ انہی کے ذکر پر زندہ رکھے اور نہی کے ذکر پر موت عطا فرمائے۔ آمین۔

۸:- حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ، ان کے فرمودات اسناد کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ کا یہ سوز و گداز میں ڈوبا شعر جسے مولوی ذکریا کاندھلوی صاحب نے (اپنی مشہور و معروف کتاب جو ہر تبلیغی جماعت کے چھوٹے بڑے گروہ میں موجود ہوتی ہے) بھی نقل کیا ہے۔ معنی یہ ہوا کہ جناب سہارنپوری صاحب کا بھی وسیلہ پر عقیدہ

استمداد عیاں ہے۔

زمہجوری برآمد جانِ عالم

اور آخر میں اپنا عقیدہ ظاہر کرتے ہوئے انبیاء علیھم السلام کے بارے میں یہ شعر رقم کیا جاتا ہے۔

گر نام محمد را نیا وردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرقِ نجنا

ہم نے ان اکابرین کا ذکر کیا ہے۔ جو تمام مکاتب فکر کے لئے محترم ہیں اب قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ بغور فرمائیں اور اپنے دوست احباب کو مطالعہ کے لئے دیں۔ میں اپنے رب کریم سے پوری امید رکھتا ہوں کہ بوسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء مقربین کے توسل وتصدق سے اس تحریر کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے امت مسلمہ کے لئے سرچشمہ ہدایت بنائے۔

اب آخر میں امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلحضرت الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا انداز توسل واستغاثہ بحضور سرور کونین ﷺ پیش خدمت ہے۔ جو کہ حل المشکلات کیلئے بڑا مجدب ہے۔ ہر عقید تمند اور عوام اہلسنت حاجت مند اس سے استغارہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اغثنی یارسولؐ اللہ

بکارِ خویش حیرانم اغثنی یارسولؐ اللہ
پریشانم پریشانم اغثنی یارسولؐ اللہ

ندارم جز تو ملجائے ندانم جز تو مارائے
توئی خود ساز وسامانم اغثنی یارسولؐ اللہ

شہا بیکس نوازی کن طبیبا چارہ سازی کن
مریضِ درد عصیانم اغثنی یارسولؐ اللہ

اگر دانی وگر خوانی غلامم انت سلطانی
دگر چیزے نمی دانم اغثنی یارسولؐ اللہ

رضایت سائل بے پرتوئی سلطان لاتنھر
شہا بجز لہر از یں خوانم اغثنی یارسولؐ اللہ

اغثنی یارسولؐ اغثنی یارسولؐ اللہ اغثنی یارسولؐ

اللہ پاک ہمیں دین اسلام کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد ﷺ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

محمد ﷺ کی محبت آنِ ملّت شانِ ملّت ہے
محمد ﷺ کی محبت روحِ ملّت جانِ ملّت ہے

محمد ﷺ کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے
یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے

محمد ﷺ ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر مادر برادر مال جان اولاد سے پیارا
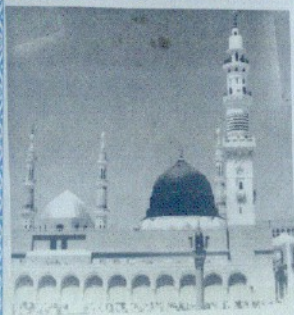
منقبت

حضرت الشیخ سیدنا عبد القادر الجیلانی

الحسنیالحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قبلہ اہل صفا حضرت غوث الثقلین

دستگیرِ ہمہجا حضرت غوث الثقلین

یک نظر از تو بود در دو جہاں بس مارا

نظرے جانبما حضرت غوث الثقلین

خاکپائے تو بود روشنی اہل نظر

دیدہ رابخش ضیا حضرت غوث الثقلین

حضرت کعبہ حاجات ہمہ خلقانست

حاجتم ساز روا حضرت غوث الثقلین

مردہ دل گشتم و نام تو محی الدین است

مردہ رازندہ نما حضرت غوث الثقلین

ھدیۂ سلام

بخدمتِ اقدس جناب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ھدایت پہ لاکھوں سلام

وہ سُہانی گھڑی جس میں چمکا طیبہ کا چاند
اُس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

دُور و نزدیک سے سُننے والے وہ کان
کانِ لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

نُور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں
انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اُٹھ گئی دَم میں دم آگیا
اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

وُہ زباں جس کو کن کی کُنجی کہیں
اُن کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

جب کہ خدمت میں قُدسی کہیں ہاں رضا
شمعِ بزمِ ھدایت پہ لاکھوں سلام

کیا جائے تو اللہ رب العزت نے فرداً فرداً انبیاء اکرام علیھم السلام کا ذکر ان کے اوصاف بیان کرنے کے ساتھ کیا ہے۔ اور اوصاف بھی ان کی سیرت طیبہ کا کوئی پہلو بیان کیا۔ پھر ان پر سلام پڑھا۔ ایک تو یہ ہمیں ترتیب تعلیم کر دی کہ پہلے اوصاف وکمالات ومعجزات بیان کرلو پھر تمام توجہ سے سلام پیش کرو۔

دوسری بات جو تعلیم کی سورہ صٰفت کی آخری تین چھوٹی آیات بتسلسل بیان ہوئیں ان میں اللہ جل مجدہ کی تسبیحات بیان ھوئیں پھر اللہ کی حمد بیان کی گئی ۔ یہ ترتیب ہمیں اس طرف راغب کرتی ہے۔ تمھارا تسبیح وتہلیل کا بیان تبھی قبول ہوگا۔ جب تک تم میرے بھیجے ہوئے مرسلین کی بارگاہ میں ہدیہ سلام نہیں پیش کرلیتے۔ لہذا یہ ہی طریقہ اہلسنت وجماعت ہے۔ کہ کوئی بھی محفل ہو اس کا اختتام سلام پر ہی کیا جاتا ہے۔ کہ یہ عمل سنت الہیٰ ہے۔ اللہ رب العزت اس پر استقامت نصیب فرمائے۔ اور ان چند سطور کو قارئین کو شمع ہدایت اور میرے لئے توشہ آخرت بنائے۔ آمین بجاہ مرسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

یَا رَسُوْلَ اللّٰہ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ وَسَلَّم

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمال کے سبب بلندی پر پہنچے

کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جمال سے اندھیروں کو دُور کیا

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر خصائل نہایت حسین ہیں۔

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر دُرود و صلوات ہو

اے اللہ! رحمت بھیج حضرت محمدؐ پر اور آل پر حضرت محمدؐ کی، جس طرح تو نے رحمت بھیجی حضرت ابراہیمؑ پر اور حضرت ابراہیمؑ کی آل پر، بیشک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے
اے اللہ! برکت دے حضرت محمدؐ کو اور آل کو حضرت محمدؐ کی، جس طرح تو نے برکت دی حضرت ابراہیمؑ کو اور حضرت ابراہیمؑ کی آل کو، بیشک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے

یا اللہ جل جلالہ — یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شجرۂ طیبہ

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ

شجرہ طیبہ (نسب) سلسلۂ عالیہ قادریہ

شمس العارفین قدوۃ السالکین شیخ المشائخ حضرت سید جعفر شاہ ولیؒ الگیلانی قادری رحمۃ اللہ علیہ

یا الٰہی رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے — یا رسول اللہ کرم کیجئے، خدا کے واسطے

مشکلیں حل کر شہہ مشکل کشاؓ کے واسطے — کر بلائیں رد حسنؓ مجتبیٰؓ کے واسطے

سید حسن مثنیٰؓ کا صدقہ دے مجھے حسن کلام — علم دے عبداللہ محض علم ھدیٰ کے واسطے

صدقہ موسیٰؒ الجون کا صادق الاسلام کر — مہر فرما سید عبداللہ ثانیؒ اہل رضا کے واسطے

بہر موسیٰ ثانیؒ پاک کر دنیا کا دل — باوفا کر داؤد امیرؒ با صفا کے واسطے

سید وحیؒ کا صدقہ روحوں میں اخلاص دے — سید محمد یحییٰؒ اور عبداللہ جیلیؒ بے ریا کے واسطے

باعمل کر مجھ کو یا رب مصطفیٰؐ کو نین میں — جذبہ اطاعت دے ابو صالحؒ شوکت حق نما کے واسطے

کر قادری اور قادریوں کی صفوں میں رکھ مجھے — شاہ غوث الاعظمؒ نورِ مصطفیٰؐ کے واسطے

سید عبدالوہابؒ اور سید ابو نصرؒ کا دے سلوک — سید سیف الدینؒ حسنِ عطا کے واسطے

کر عطا قلبِ صفا سید صفی الدینؒ سا — تاج دین محمدؒ احمدؒ و مسعود علیؒ راہ نما کے واسطے

ہو عطا سید امیر شاہؒ و شمس الدینؒ کی ضیاء — شاہ محمد غوثؒ گیلانی غوث الوریٰ کے واسطے

سید مبارک شاہؒ اور بحق شاہ معروفؒ — سید محمد صالحؒ ولی خوش لقاء کے واسطے

دل کو اچھا تن کو ستھرا جاں کو پر نور کر، — اچھے پیارے سید جعفر شاہ ولیؒ بدر العلیٰ کے واسطے

شاہ مجبولاؒ اور سید محمد اشرفؒ سا صاحب ایمان کر — سید محکم شاہؒ اور شاہ حسینؒ جمال الاولیاء کے واسطے

دو جہاں میں خادم آلِ رسول اللہ کر مجھے — لعل حسین شاہؒ و محمد بخشؒ گیلانی پیشوا کے واسطے

حبِ اہلِ بیت دے برکت کا اپنی کر نزول — سید رحمت علی شاہؒ تاج الاصفیاء کے واسطے

خانۂ دل کر منور روئے ایمان کو جمیل — سید سیف اللہ گیلانی خوش ادا کے واسطے

شوقِ دل حبِ سلوک و انقطاع غیر بخش

خاندانِ جعفرؒ و غوث العلاؒ کے واسطے

اطلاع: ہر ماہ انگریزی مہینے کی دوسری اتوار بعد از نماز ظہر کو ماہانہ گیارہویں شریف کا انعقاد کیا جاتا ہے

مقام: دربار غوثیہ قادریہ کوٹلی باجوہ نارووال

منجانب: انجمن خدام الاصفیاء (صاحبزادہ سید محمد عاطف گیلانی القادری)